حیات الامیر

المعروف محمد غوث بالا پیر گیلانی قدس اللہ سرہٗ

(جلد دوم)

مع

تذکرۃ الابرار

تالیف: سید افضال حسین گیلانی

DATA ENTERED

هوالقادر

حیات الامیر

المعروف محمد غوث بالا پیر گیلانی قدس اللہ سرہٗ

(جلد دوم)

مع

مقدمہ

Marfat.com

تالیف

سید افضال حسین گیلانی

ادارہ صوت ہادی شیخوشریف اوکاڑہ

۱۹۷۶۹۹۱۴ -
۱ ۲۵۵
۲۲۱۰۰

اِنتباہ

اگر کوئی صاحب اس کتاب کے حوالہ جات یا کسی پیراگراف کو کسی بھی سطح پر تحریری واشاعتی طور پر استعمال کرنا چاہے تو اسکے لئے اِدارہ صوت ہادی سے تحریری اجازت لینا ضروری ہوگا۔ بصورت دیگر اِدارہ کاپی رائیٹ ایکٹ کے تحت اپنا قانونی حق محفوظ رکھتا ہے۔

☆☆☆

ترتیب وتدوین

سیّد علی ثانی گیلانی

سال اشاعت : اگست ۲۰۰۸

☆☆☆

رابطہ : ''شہ گوشہ'' پی۔سی۔ایس آفیسرز کالونی ساہیوال

0300-6904721 / 0321-6910276

Marfat.com

اِنتساب :

اُس حَسین بندھن کے نام ..... !

جس سے لوگ آپؐ کی طرف بندھے، کھنچے چلے آتے ہیں۔

Marfat.com

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے

کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ممبر پر یہ فرماتے سنا۔ "ما

بال رجال یقولون ان رحم رسول

اللہ لا تنفع قومہ بلی واللہ ان

رحمی موصولۃ فی الدنیا والاخرۃ

وانی ایھاالناس فرط لکم علی

الحوض اذا جئتم۔

اُن لوگوں کا کیا حال ہوگا جو یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کو نفع نہیں دے گی"۔ "ایسا نہیں ہوگا میرا رشتہ دنیا اور آخرت میں پیوستہ ہے"۔ اور اے لوگو! جب تم وہاں پہنچو گے تو میں تمہارا پیش رو ہونگا۔

(مسند امام احمد رقم الحدیث: ۱۷۱۲)

Marfat.com

اور دوسری حدیث میں ہے۔"قال رسول اللہ ﷺ فاطمة مضعة منی یقبضنی مایقبضها و یبسطنی ما یبسطها وان الانساب یوم القیامة تنقطع غیر نسبی و سببی و صهری"۔

حضور ﷺ سے ارشاد فرمایا فاطمہ میری لختِ جگر ہے۔جو چیز اسے ناراض کرتی ہے وہ مجھے ناراض کرتی ہے۔جو چیز اسے خوش کرتی ہے۔وہ مجھے خوش کرتی۔ساری رشتہ داریاں قیامت کے دن منقطع ہو جائیں گی سوا میرے نسبی اور سسرال کی رشتہ داری کے۔

(مسند امام احمد رقم الحدیث:۱۸۱۴۹)

Marfat.com

استغاثہ

غوث بالا پیر شاہ دلکش است
سیرت و صورت و خلق او خوش است

وارث علم علیؓ حال نبی ﷺ
آں کہ بر روئے زمین قال نبی ﷺ

معنی یسین ، مقام والضحیٰ
زینتِ سجادۂ غوث الوریٰ

ذکر بالا پیر را محکم بگیر
تا کہ باشد روزِ محشر دستگیر

Marfat.com

اے خوشا ! نامش رواں شد بر زباں
وز قرار آمد بہ جانِ ناتواں

بندہ ام محتاج سوئے من نگر
رس بفریاد اے شہہ والا قدر

از طفیلِ رحمۃ اللعالمین
کن مرا دل شاد در دنیا و دین

دستگیرا ! دستگیری خواستم
از درت سندِ فقیری خواستم

(افضال گیلانی)

☆☆☆

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	بات سے بات	۱۲
۲	مقدمہ تذکرۃ الابرار	۱۸
۳	خلاصہ حیات الامیر	۵۰
۴	تمہید	۵۵
۵	ذکر آباء و اَجداد	۵۶
۶	مخدوم اوّل بندگی محمد غوث اچوی	۵۸
۷	مخدوم عبدالقادر ثانی	۵۹
۸	سید زین العابدین	۶۱

۹	ولادت باسعادت	۶۱
۱۰	سلسلہ نسب پدری و مادری	۶۳
۱۱	مخدوم عبدالرزاق	۶۴
۱۲	اُچ شریف	۶۵
۱۳	میر چاکر خان رند بلوچ کے حالات	۶۸
۱۴	میر چاکر کی آمد	۷۳
۱۵	حضور کی اُچ سے روانگی	۷۴
۱۶	ستگھرہ یا صد گھرہ	۷۵
۱۷	ہجرت اوّل آنجناب	۷۹
۱۸	نواب لنگر خان بلوچ	۸۱
۱۹	قیام صد گھرہ	۸۲
۲۰	دونوں بلوچوں کا قبائلی پس منظر	۸۴
۲۱	تفصیل ازواج حضرت والا	۸۵
۲۲	مخدوم ثانی کا وصال	۸۶
۲۳	دوسری شادی	۹۰
۲۴	داؤد شیر گڑھی	۹۱
۲۵	حاکموں اور شہنشاہوں کی عقیدت	۹۱
۲۶	مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری	۹۳
۲۷	منزل مقصود (وجہ سکونت صد گھرہ)	۹۶

Marfat.com

۲۸	نصیرالدین ہمایوں کی واپسی	۹۷
۲۹	میر چاکر کی اولاد کا انجامؒ	۹۸
۳۰	وصال پُر ملال	۱۰۰
۳۱	عرس مبارک	۱۰۴
۳۲	کشف کرامات	۱۰۵
۳۳	تصنیف وتالیف	۱۰۵
۳۴	حضرت نظام الدین ؒ	۱۰۶
۳۵	اساتذہ وشیوخ	۱۰۸
۳۶	ہمعصر مشائخ	۱۰۹
۳۷	ہمنام مشائخ	۱۱۰
۳۸	تاریخ کے جھروکوں سے	۱۱۰
۳۹	جناب کا طرہ امتیاز وافتخار	۱۱۲
۴۰	اولاد حضرت والا وبالاؒ	۱۱۳
۴۱	سلطان پور	۱۱۵
۴۲	دربار کی تولیت اور جناب غلام غوثؒ	۱۱۶
۴۳	ایک رپورتاژ	۱۱۷
۴۴	ضلع ساہیوال واوکاڑہ کے سادات گیلانیہ	۱۱۹
۴۵	عرض مولف	۱۲۰

Marfat.com

عرض

حضور آپ سہارا ہیں اولیاؤں کا　　حضور آپ وسیلہ ہیں ناخداؤں کا

حضور آپ بلاؤں کے ٹالنے والے　　حضور آپ بدلتے ہیں رُخ ہواؤں کا

حضور آپ کے ایوان میں چراغ جلے　　یہی ہے وقت سوالوں کا ،التجاؤں کا

حضور غوث ہیں اور نام ہے محمد غوث　　حضور اجر عطا کیجئے دُعاؤں کا

حضور آپ پہ اللہ کے صد ہزار اکرام
حضور سنیئے غلاموں کے یہ درود و سلام

(مراتب اختر گیلانی)

Marfat.com

بات سے بات

الحمد لله لا محمود الا الله حمد نفسه بنفسه تمام حمدوں ثناؤں کا مرجع وہی ذات اقدس ہے جو اپنی تعریف آپ ہی کرسکتی ہے۔ صلوۃ وسلام اسکے نبی امی پر جسکی اطاعت کو وان تطیعوہُ تھتدوا (النور ۵۴) کے تحت اسنے ازلی وابدی ہدایت کا سرچشمہ قرار دیا ہے۔ باقی خوبیاں بھی اسی کی عطا سے، اسکے نیک بندوں کی ہیں جنکو اسنے ابرار کے لقب سے ملقب کیا، انہوں نے رسول کریم ﷺ کی اطاعت اور محبت خداوندی کے سامنے ہر چیز کو ہیچ جانا اور یہ مقام حاصل کیا۔ یہی تو اہل بیت ابرار اور صحابہ کبار ہیں اور پھر زمانہ در زمانہ انکی پیروی کو راہ نجات سمجھنے والے اولیاء و ابرار.....! آج انکے اعزاز میں ''تذکرۃ الابرار'' مرتب کی جارہی ہے۔

ان ابرار سے مراد یہی خانوادہ اہل بیت ہی تو ہے جنہوں نے دو جہاں کی امیری حاصل ہوتے ہوئے بھی سنت نبوی ﷺ کے مطابق فقر کو ترجیح دی اور امراء کے شانہ بشانہ

رہتے ہوئے بھی اپنے آپ کو فقراء کی صف میں رکھا۔ روایت ہے کہ رضوان جنت بحکم الٰہی دنیا کی چابیاں لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور سلام پیش کرنے کے بعد عرض کیا کہ آپ کا رب فرماتا ہے کہ یہ دنیا کے خزانوں کی چابیاں ہیں چاہیں تو رکھ لیں اور آخرت کے اجر سے ذرہ برابر بھی کمی نہ ہوگی۔ آپ ﷺ نے جبریلؑ کی طرف دیکھا..... تو انہوں نے زمین پر ہاتھ مارا، کہ تواضع اختیار کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یا رضوان لا حاجة لی فیها الفقر احب إلی ان عبدا صابرا شکورا ''اے رضوان مجھے کوئی حاجت نہیں، فقر مجھے زیادہ عزیز ہے کہ میں عبد صابر و شاکر بنوں''۔

دوسری روایت ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: عرض علی ربی اجعل لی بطحاء مکة ذهبا و قلتُ لا یا رب ولکن اشبع یوما واجوع یوما ۔ ''کہ مجھے میرے رب نے فرمایا کہ وادی بطحاء مکہ کو تمہارے لئے سونا بنا دوں تو میں نے عرض کیا نہیں میرے رب کریم میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن سیر ہو کر کھاؤں اور دوسرے دن بھوکا رہوں''۔

اسی جمال کا پرتوِ دیکھنے کیلئے تو ہم ان ابرار (خانوادہ اہل بیت) کی زندگیوں کا مطالعہ کرنے جا رہے ہیں۔ کہ وہ لوگ کسقدر کامیاب ہوئے ہیں۔

ایک صاحب کی طرف سے کسی وساطت سے یہ بات موصول ہوئی کہ تذکرۃ الابرار'' نام کی کتاب پہلے موجود ہے لہذا نام بدل دیا جائے۔ میں بطور خادم اِدارہ انکی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ یہ تذکرہ کوئی ایک کتاب نہیں بلکہ ایک پورا سلسلہ ہے باقی کتب اسکی کڑیاں ہیں جبکہ پہلی کڑی ''حیات سید سید محمد'' کے نام سے ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئی اس کتاب میں بھی اس امر کی نشاندہی کی جا چکی ہے۔ جب ۲۰۰۰ء میں، میں نے اس اِدارہ

Marfat.com

کا چارج سنبھالا، تب سے اب تک متواتر اسکا تذکرہ صوت ہادی کی ہر اشاعت میں کر رہا ہوں۔ بالفرض اگر کسی صاحب نے اس نام سے چھاپی بھی ہے تو پھر بھی کوئی فرق نہیں پڑتا چونکہ اُسکا مصنف یا مولف کوئی اور ہوگا اور اِسکا کوئی اور..... ویسے تاریخ میں پہلے بھی یہ ہوتا آیا کہ ایک نام کی دو یا دو سے بھی زائد کتب ہو سکتی ہیں..... یہ کوئی بڑی بات نہیں۔

میں اپنی بات کو مختصر رکھتے ہوئے آگے بڑھوں گا کہ خواہ مخواہ طوالت کا بوجھ نہ بنے۔ اب ذکر کرنا ہے مجھے ''حیات الامیر'' کا۔ جلد اوّل کے بعد جلد دوم کا مسودہ میرے پاس بہت جلد ہی پہنچ گیا تھا مگر مؤلف کو ابھی کئی کرم فرماؤں سے تعاون کی امید تھی..... جو پوری تو ہوئی مگر..... پوری طرح نہیں۔ میری وساطت سے ان کے ساتھ رابطہ بھی ہوا مگر چند اصحاب کے علاوہ باقی سبھی نے اسقدر خاموشی اور لاتعلقی کا مظاہرہ کیا کہ..... خاموشی ہی زیادہ بہتر ہے۔ چلو ہم سے کسی کا تعلق نہ سہی' کیا صاحب مزار کے ساتھ تعلق اور عقیدت و محبت کا یہی انداز تھا جو انہوں نے اپنایا۔ کتنے ہی نام ہیں علم و فضل والے جنکی توجہ اس امر کی طرف دلائی گئی جیسے سید مستعصم علی، مدثر علی، سید وسیم عالم ٹیپو، نوید الحسن، عاکف معراج آغا، فدا حسین، رضوان حیدر تارا پیر آف شیخوشریف ..... سید حبیب الحسن و سید مظفر حسن ایڈوکیٹ آف ستگھرہ..... سید ظفر حسن و سید اقبال حسین شاہ آف چک فضل شاہ ..... سید جنید محی الدین و سید سرفراز حیدر لاہور و سید قاسم علی شاہ بن سید مظہر آف دیپالپور، .... یہ تمام افراد حضور بالا پیر سائیں کی اولاد امجاد میں سے ہیں اور محبت اور عقیدت کے رشتہ سے بھی بندھے ہوئے ہیں۔ اسکے باوجود اغماض سے ہی کام لیا بلکہ مؤخر الذکر کو تو جلد اوّل پر بے شمار اعتراض بھی تھے۔ سو..... نہ تو انکا حل بتایا اور نہ ہی کوئی تعاون کی فضا قائم کی۔

چند افراد نے بلا شبہ دست تعاون بڑھایا جنمیں سر فہرست تو سید ظفر حسن گیلانی

Marfat.com

آف چک فضل شاہ ہیں باقی شیخوشریف میں سے سید رضوان حیدر تارا اور مستعصم علی گیلانی نے کچھ تعاون کیا۔ انکی پیش کردہ روایات آپ کتاب میں ملاحظہ کریں گے۔ ان کے ممنون و مشکور ہیں۔

میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر اس بے حسی کو ترک کر کے اپنے اسلاف کی تعلیمات اور احوال کو اُجاگر نہ کیا گیا تو ایک دو خاندان اپنے آپ کو اولاد بالا پیرؒ ثابت کرنے پر تل بیٹھے ہیں..... اگر ایسا ہوا..... تو یہ نہ صرف قانون الٰہی کے خلاف ہوگا بلکہ اپنے اسلاف کی عظمت سے مجرمانہ غفلت بھی شمار ہوگی۔

''حیات الامیر'' کی تالیف میں مؤلف کو جو مسائل حائل تھے، میں انکا ادراک کر سکتا ہوں بلکہ ہر صاحب تصنیف و تالیف اس سے آگاہ ہے۔ اور پھر صالحین کے احوال پر کام کرنا، یہ تو نہایت ادق امر ہے۔ مجھے اس کا ادراک تب ہوا جب ۲۰۰۲ء میں، میں نے ''شجرۃ الاشراف'' کے نام سے اسی مضمون کا خلاصہ پیش کیا تھا۔ یہ واقعی ''کار جبریل'' اور راہ شوق ہے اس پر چلنے کے بعد اسکو طے کرنے کی ہمیشہ کسک ہی رہتی ہے بقول اقبالؔ

ہر لحظہ نیا طور نئی برق تجلی
اللہ کرے یہ مرحلہ شوق نہ ہو طے

بہرحال..... اگر تو یہ کتاب کسی معیار پر پوری اترتی ہے تو یہ پیران سلسلہ کا فیض اور مؤلف کی شب و روز کی عرق ریزی کا نتیجہ ہے..... اگر کوئی سقم رہ گیا ہو تو مؤلف اسکو اپنے کھاتے میں ڈالتا ہے اور اس سے رجوع پر پوری طرح آمادہ ہے ..... مخلصانہ تعاون اور جیداسناد شرط ہیں۔

ادارہ صوت ہادی کو اس ولی اللہ کی سوانح چھاپنے کا اعزاز حاصل ہے جس کو پنجاب

Marfat.com

میں سلسلہ قادریہ کے شیخ الطریقت ہونے کا شرف حاصل ہے۔اسی سلسلہ میں ایک اور محترم دوست کا شکر گزار ہوں جو اس سلسلہ سے وابستہ ہی نہیں پوری طرح واقف بھی ہیں..... اور یہی کتاب ان سے جان پہچان کا سبب بنی ..... پیر جناب طاہر حسین صاحب قادری مدظلہ آف منگانی شریف جھنگ.....نہایت شفیق اور خلیق انسان ہیں پیران سلسلہ کی محبت میں چُور اور انکے فیض سے بھرپور..... انہوں نے ایک مراسلہ میں چند ضروری معلومات اور وہ تمام اشعار بھیجے جو انکے سلاسل میں آنجناب بالا پیر حضور کی شان میں پڑھے جاتے ہیں انکو اپنے اس مضمون کی زینت بنانے کی خاطر یہاں نقل کرتا ہوں اللہ انکو جزائے خیر عطا کرے۔

حضرت سید قطب علیشاہؒ بخاری باغنامہ طلبیہ میں فرماتے ہیں:

عبدالقادر اکسیر ہیں ..... بالا محمد پیر ہیں
روشن چوں بدر منیر ہیں ..... کھڑیا شگوفہ مرتضٰی
یاالٰہی کر مجھے گل پنجتن کے باغ کا

حضرت مولینا غلام محمد جلوآنویؒ فارسی دیوان عشق میں فرماتے ہیں:

ہم بطفیل امیر شیخ محمد منیرؒ ..... بالائے پیر آں فقیر صاحبدل غیب داں
گفتہ مانا سزا پوش بذیل کرم ..... عرش تو باشد مرا روز جزا سائباں

(اردو)

جلوے ہیں ذات قدیر کے.....بالا محمد پیر کے
توحید کی توقیر کے..... منصب ملا انکو سوا
یاالٰہی کر میرے دل پر تجلی ذات کا

حضرت مولینا محمد عظیم قادریؒ کھر پیڑ شریف فرماتے ہیں:

حضرت شیخ محمد بالا پیر بلندی والا
خاک دہم وچ رلیاں تائیں یار ملاون والا

حضرت پیر کرم حسین قادری منگانی شریف اسطرح گویا ہیں:

بحق غوث بالا پیرؒ و عبدالقادر ثالثؒ
پئے عبدالوہاب الھم نور قلوبنا

اردو

ثانی عبدالقادر و شاہ پیر بالا کیلئے
ثالث عبدالقادر حق آشنا کے واسطے

ساتھ ہی اجازت چاہوں گا۔ تمام احباب کا مشکور ہوں۔ فصلی اللہ تعالی علی محمد و آلہ و صحبہ وسلم

سید علی ثانی گیلانی
۹ مئی ۲۰۰۸ بروز جمعۃ المبارک
خادم ادارہ صوت ہادی شیخو شریف

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ تذکرۃ الأبرار

تذکرۃ الابرار سے پہلے میں اس کے مبادیات اور ماخذات کے بارے میں کچھ کہنا چاہوں گا۔۔اور اللہ اور اسکے رسول ﷺ سے سچ سچ لکھنے کی توفیق مانگتا ہوں۔سچ کا ماحصل حقیقۃً کڑوا کسیلا نہیں ہوتا!۔حلاوت ہی حلاوت ہے!۔البتہ کچھ انتظار کی شدت سہنی پڑتی ہے!!۔سچ میں تلخیاں تو ہوتی ہیں لیکن بعض سچ سَم آلود اور انتہائی زہریلے ہوتے ہیں۔ایسے اثرات سے بچنے کے لئے سعدیؒ کے دروغ مصلحت آمیز کی حکمت عملی سے فائدہ اٹھانا ہی پڑتا ہے کہ فتنہ انگیز راستی کے مضمرات سے بچا جا سکے۔۔اللہ پاک کے مقبول بندے ایسی ویسی تمام مصلحتوں سے بلند و بالا اور بے نیاز ہوتے ہیں!!۔۔اس لئے کہ وہ حضوری رسالت پناہ ﷺ سے سرفراز ہوتے ہیں انکے احوال سچے اور آیاتِ الٰہی ہوتے ہیں۔ایسے

Marfat.com

مآثر.....کہ.....ہم تم سب کیلئے ہدایت کے روشن مینار ہوتے ہیں۔اوران روشن میناروں کی روشنی؟؟۔''چراغ تلے اندھیرا'' نہیں ہوتا۔بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ۔''چراغ سے چراغ جلتا ہی رہتا ہے۔اور جلتا ہی چلا جائے گا'' اور شرارا بولہبی خاکستر ہوتا چلا جائے گا حتّی کہ صبح ازل پھر نمودار ہوگی اور روزِ حشر کی گہما گہمی شروع ہو جائے گی!!۔

☆☆☆

اللہ سبحانہٗ کے پاک بندوں کے پاکیزہ حالات جمع کرنا،۔پھران کو ضبط تحریر میں لانا،۔کارِفرہاد سے لگّا نہیں کھاتا۔بلکہ اس کے لئے تو کوئی اور اصطلاح !!۔کوئی اچھوتی تشبیہہ وضع کرنی پڑے گی۔۔ڈرتے ڈرتے عرض کروں گا!!۔۔کہ اس کو''کار جبریل'' کیوں نہ کہا جائے،کیونکہ کلام الٰہی کے ساتھ ساتھ احوال صالحین،صحائف میں ملفوف،عالمِ بالا سے عالمِ ارضی تک پہنچانا۔جبریل امین ہی کا کام تھا۔یہ امانت داری کا کام تو ایسا ہے کہ،۔۔اس میں ڈنڈی مارنے والا۔فرشتہ صفت بھی شیطان بن جاتا ہے۔اور انسان؟؟۔انسان تو آدمی بھی نہیں رہ جاتا۔۔''معاذاللہ'' میں ایسی تمام خطاؤں اور نسیان سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

میرا موضوع تذکرۃ الابرار ہے۔جسکو بہرحال مجھے مقدم رکھنا ہے۔۔تاکہ مقدمہ کا لغوی،نحوی اور معنوی حق ادا ہو سکے۔''مُقَدِّمَہ'' اور ''مُقَدَّمَہ'' دونوں ہی لُغتِ عربیہ ہیں۔نحو کے معمولی فرق کے علاوہ مرکزی مفہوم میں کوئی تضاد نہیں۔آپ بے شک اس مقالہ کو مُقَدمہ،دعویٰ استغاثہ،اور دیباچہ کے معنوں میں لے سکتے ہیں۔اور میں اپنے قاری کو اس لفظ میں پوشیدہ تمام مفاہیم کے لئے دعوتِ غور وخوض دیتا ہوں۔''لشکر'' سے مُقَدِّمَہ یا ''کتاب'' سے دیباچہ اگر طویل ہو جائے تو صاحبانِ شعور اسے زبونی وزشتی نہیں خیال کریں

گے۔ کیونکہ اس میں کئی حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔

☆☆☆

تذکرۃ الابرار معنوی لحاظ سے، اپنے اندر ڈھیر ساری وسعت رکھتا ہے، پھر رب العزت جل مجدہٗ الکریم نے اپنے نیکوکار بندوں کو نیک عمل کرنے کی جانب سبقت کرنے پر انہیں مختلف مراتب سے نوازا ہے۔ اور اپنے پاک کلام قرآن مجید میں مجموعی طور پر سب کے لئے ''صالحین'' کا لقب منتخب فرمایا۔ اللہ کے ان منتخب بندوں کے اسماء واقسام کا احاطہ کرنا کسی بھی اہلِ علم و دانش کے لئے ممکن نہیں اور مجھ ایسے احقر، ہیچمدان کو اس بیکراں، اس اتھاہ ساگر میں صرف اور صرف اپنے مقصد کی ناؤ کو کھینا ہے۔ لہذا اللہ تبارک وتعالیٰ کی پاک کتابِ حکمت ومبین کا سہارا لئے بغیر مقصد تک پہنچنا میرے لئے مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔

صالحین کے زمرہ میں انبیاء ومرسلین، صدیقین، شہدآء، اولیاء، صابرین، صادقین، قانتین، منفقین، مستغفرین، صحابہ تابعین، سابقین ومقربین، راسخین فی العلم اور اخیار وابرار۔ یہ سب کے سب اللہ کے وہ بندے ہیں۔ جنکے مراتب بھی خود اللہ جلّ وعزّ مجدہٗ نے مقرر فرمائے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی بات سن کر تبسم فرمایا۔ اور عرض کی اے پروردگار مجھے توفیق عنایت فرما کہ جو احسان تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کئے ہیں ان کا شکر ادا کروں اور ایسے کام کروں جن سے تو خوش ہو جائے۔

و اد خلنی برحمتك فی عبادك الصلحین

اور مجھے داخل فرمالے اپنی رحمت سے اپنے صالحین بندوں میں۔ (النمل)

غور فرمایئے۔ یہ ایک جلیل القدر پیغمبر کی التجا ہے۔ جس کو ایسی شاہی اور ایسی حکومت

Marfat.com

عطا کی گئی تھی۔ جو نہ تو آپ سے پہلے کسی کو ملی اور نہ ہی آپ کے بعد آج تک کسی کو ملی ہے اور نہ ہی ممکن ہے۔۔'' التجا یہ ہے کہ اُنہیں صالحین کا مقام مل جائے۔

کتابِ حکمت و ہدایت جس میں کوئی شک نہیں اسکے شروع میں ہی رب جلیل کریم نے فرمایا ہے کہ۔

ھدی للمتقین الذین یومنون باالغیب ویقیمون الصلوۃ و مما رزقھم ینفقون *(البقرۃ، پ۱، آیت ۲۔۳)*۔

''راہنمائی کرتی ہے متقین کی۔ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور آداب کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، اور جو رزق ہم اُن کو دیتے ہیں اس میں سے میرے ہی لئے (دوسروں پر) خرچ کرتے ہیں''۔

اور یہ ہیں متقین، جو صالحین ہی کی فروع ہیں۔ انبیاء و مرسلین تو وہ منتخب ہستیاں ہیں جنکے ذریعے کلامِ سماوی، مخلوقِ ارضی تک پہنچا۔ اور ہدایت و حکمت کے صحائف و اولادِ آدم کی تادیب و تہذیب کے لئے آئے۔ اور اس اشرف المخلوقات پر صلاح و فلاح کے مطالب و مفاہیم واضع ہوئے۔

جو لوگ فلاح و صلاح میں جلدی کرتے ہیں انکی سبقت کی کس پیارے انداز میں اللہ باری تعالیٰ نے تصدیق فرمائی ہے۔

أُوْلٰئِكَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيرَاتِ وَهُم لَهَا سَابِقُوْنَ۔

''یہی لوگ نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں اور یہی اُنسے آگے نکل جاتے ہیں۔ *(مومنون، پ۱۸)*

پھر فرمایا:۔

Marfat.com

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝ اُولٰئِكَ الْمُقَرَّبُوْن (الواقعہ۔۱۰۔۱۱آیت)

''اور جو آگے بڑھنے والے ہیں (اُنکا کیا کہنا) وہ آگے ہی بڑھنے والے ہیں، یہی تو مقرب (بارگاہ) ہیں۔

سابقین اور مقربین کی فضیلت کے ساتھ ابرار کی فضیلت بیان کرتے ہیں

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ۝ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا عِلِّيُّوْنَ

(المطففین، ۱۸۔۱۹آیت)

''سن رکھو! نیکوکاروں کے اعمال علیین میں ہیں۔اور تمہیں کیا ادراک کہ یہ علیین کیسا (اور کتنا اونچا) محل ہے۔

اور پھر فرمایا۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ

(المطففین، ۲۲۔۲۳آیت)

''بیشک نیک لوگ چین میں ہوں گے، تختوں پر بیٹھے نظارہ کریں گے۔

ابرار سے متعلق اللہ نے قرآنِ حکیم میں وہ تمام شرف اور نعمتیں بیان فرمائی ہیں جن کے لئے انہیں مستحق سمجھا۔اسکے علاوہ مقام علیین میں ان کے درجات کا بیان بھی فرمایا اور انکی پہچان کے بارے، اسی سورۃ میں یوں ارشاد فرمایا۔

تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ (ایضاً ۲۴آیت)

''تم ان کے چہروں کی تازگی اور راحت سے ان کو پہچان لوگے۔

اس سورۃ میں ابرار کی فضیلت اتنی بلاغت سے بیان کی گئی ہے۔جو کلام الٰہی کا ہی اعجاز و کمال ہے۔یعنی ابرار اپنی پیشانیوں پر ایسی تازگی اور شگفتگی لئے ہوئے ہوں گے کہ جس

Marfat.com

کے ذریعے وہ باقی اہلِ جنت سے ممتاز نظر آئیں گے۔ ''ان کو مہر شدہ نتھری ہوئی شراب پلائی جائے گی''۔ اور اُس میں تسنیم کے پانی کی آمیزش ہو گی۔ اور تسنیم وہ چشمہ ہے جو جنت الفردوس کے اعلیٰ ترین منازل میں جاری ہے اور اس چشمہ سے مقربانِ بارگاہ پیتے ہیں، یہاں پر یہ نکتہ قابلِ غور ہے جسے اللہ تبارک تعالیٰ نے بہت خوبصورت اور دلفریب انداز میں واضع کیا ہے۔ کہ ابرار اپنی چمکتی دمکتی پیشانیوں اور رحیقِ مختوم جیسے مشروب جن میں چشمہ تسنیم جیسے مبارک ترین چشمے کے پانی کی ملاوٹ ہو گی۔ اور ان جیسے دیگر انعامات کے باعث دوسرے اہلِ جنت سے ضرور ممتاز نظر آئیں گے۔ اسی ذکر کو..... دوسری کئی آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا۔

اِنَّ الاَبْرَارَ یَشْرِبُوْنَ مِنْ کَاسٍ کَانَ مِزَاجَھا کَافُوراً (الدھر)

''یعنی ابرار ایسے مشروب نوش جان کریں گے جس میں کافور کی آمیزش ہو گی۔

حاصل کلام یہ کہ پوری سورۃ الدھر ابرار ہی کے اوصافِ حمیدہ پر سند اور گواہ ہے۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا۔ اور نہ ہی اسے مبالغہ یا تعلّی سے منسوب کیا جائے گا کہ ابرار ہی تو آلِ رسول ﷺ ہیں۔ اور تقربِ الٰہی کے ایسے حسین نظارے خانوادۂ نبوت اور اہلبیتِ رسالت ہی میں سب سے زیادہ اور نمایاں نظر آتے ہیں۔ بلاشبہ ان کو معترض اور حاسد کی نظر نہیں دیکھ سکتی۔

جن ابرار و اخیار کا ذکر آگے چل کر مجھے کرنا ہے وہ یہی تو اصل الاصول۔ اولادِ رسولِ مقبول ﷺ اور فرزندانِ علی و بتول سلام اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ یہی احقر راقم کے پیرانِ سلسلہ ہیں۔ اور یہی وہ خانوادۂ تصوف ہے جو از اوّل تا الیوم باپ درویشی کے اصول و نہایت پر قائم ہے۔

Marfat.com

سورۃ الدھر کی آٹھویں اور نویں آیات کے شان نزول پر بحث کرتے ہوئے صاحبِ تفسیر ضیآء القرآن نے نہایت عمدہ اور متحقق نظریہ پیش کیا ہے۔ میں وہی نگارشات من وعن یہاں انہیں کے الفاظ میں پیش کرتا ہوں۔ پیر محمد کرم شاہ الازھری فرماتے ہیں۔

''سچی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اہلِ بیت کو جن کمالات، خصالِ حمیدہ اور اعمالِ رشیدہ سے مشرّف فرمایا ہے، پھر اُنہیں جن مراتب عالیہ اور مقامات رفیعہ پر سرفراز کیا ہے۔ انہیں کسی قسم کے خلافِ عقل روایات کے سہارے کی کوئی ضرورت نہیں''۔ اِن آیات کے اوّلین مصداق بے شک خاندانِ نبوّت کے یہی حضرات ہیں۔ جن لوگوں نے نفوس قدسیہ کی سیرت کا مطالعہ کیا ہے ان پر مخفی نہیں کہ خاندانِ نبوت نے ساری زندگی اپنی ضروریات پر دوسروں کی ضرورتوں کو فوقیّت دی۔ خود تکلیف برداشت کی، لیکن دوسروں کو خوش وخرّم رکھا، اگر یہ واقعہ نہ بھی ہو تب بھی اِن آیات کے اوّلین مصدّاق یہی حضرات (خانوادۂ رسالت، اولادِ علی وفاطمہ) ہیں۔

میرا مقصود بھی، انہیں ''مقصودِ کائنات'' اور اِنکی ذریّتِ مطاہرہ کا ذکر کرنا ہے۔ گلشنِ رسالت کے اِن تمام برگ وگُل کا اپنا اپنا رنگ اور اپنی اپنی رعنائی ہے۔ کسی میں رنگِ علی ہے۔ کسی میں بوئے رسول ﷺ ہے۔ کسی میں ضیائے حسنین ہے، کسی میں حیائے بتول سلام اللہ ہے۔ سلام اللہ علیہم اجمعین

☆☆☆

برِّصغیر پاک وہند میں سلسلہ قادریہ، اور خانوادۂ غوثیہ کے اخیار وابرار کا تذکرہ میرا مقصود اصلی ہے۔ اس موضوع پر محدثِ ہند شاہ عبدالحق دہلویؒ جیسے سرخیل علماء وفضلاء سے لے کر آج تک کے مقتدر تذکرہ نویسوں نے بہت سارا کام کیا ہے۔ اس میدانِ تحقیق میں مجھ

Marfat.com

ایسے ہیچمدان کے بے محابا در آنے کا جواز سوائے اِس تمثیل کے نظر نہیں آتا کہ ایک ضعیفہ سوت کی اٹی لے کر خریدارانِ یوسف کی صف میں شامل ہو جائے، اور۔ عزیزانِ مصر کے ہم پلّہ ہو جائے۔

بَرِّصغیر میں دستیاب فارسی اردو تذکروں میں بہت سی نگارشات، نوادرات، جواہراتِ معانی کی صورت ملتی ہیں۔ لیکن وائے قسمت یہ گوہر آبدار میری مالا کے موتی نہیں۔ اور جو کچھ ملے بھی ہیں تو۔۔، اِس قدر کم ہیں کہ میرے مقصود کی شکم سَیری نہیں کرتے۔ اِس کو میں صاحبانِ تصنیف و تحقیق کا تغافل کہوں؟؟۔ ''یہ تو میری مجال نہیں''!!۔ البتہ تسامُح ضرور کہوں گا!!۔ اس لئے کہ ہر ایک صاحبِ علم و قلم کے سامنے اپنا اپنا نکتہ نظر تھا اور اپنا اپنا ہی مقصد تھا۔ ہر کسی کا مقصد پورا کرنا، مشکل بھی تو ہوتا ہے!!۔ لہذا جب ''اپنے'' پیرانِ سلسلہ کے بارے میں تفصیلی معلومات۔ کہیں سے بھی مُیسّر نہ آئیں۔ تو یہ تمام کدو کاوش مجھے خود کرنی پڑی۔

تذکرۃ الابرار سے جاری سلسلہ اشاعت کے ذریعے میں اپنے پیرانِ سلسلہ کا تعارف گاہے بگاہے کرواتا رہتا ہوں۔ اس ضمن میں،۔ مجھے داد و تحسین کی خواہش ہے نہ تاج و اِکلیل کی طلب! اگر کوئی ضرورت ہے، تو اپنے پیرانِ سلسلہ کے فیض توجہ کی!! تا کہ دنیا اور آخرت کی آزمائشیں مجھ پر آسان ہوں اور اطمینانِ قلب حاصل رہے۔

☆☆☆

بَرِّصغیر پاک و ہند میں جاری سلسلہ ہائے تصوف میں سے، بلا شبہ، بلند و بالا ''نام'' ہے، سلسلہ عالیہ قادریہ کا ہے۔ اور اسی طرح یہ کہنا بھی شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ پیرانِ سلسلہ قادریہ سے لے کر مریدانِ سلسلہ تک،۔ کسی سے بھی وہ ''کام'' نہیں کیا جا سکا، جو سلسلہ

Marfat.com

چشتیہ کے مشائخ سے لے کر پیروکاروں تک نے کیا ہے۔ اِس کی تفصیل عرض کرتا ہوں تا کہ آپ میرے اس ادنیٰ خیال سے متفق ہوسکیں۔ ہندو پاک کے دنیاءِ فقر وتصوف میں سلسلہ چشتیہ کو جو امتیازی حیثیت حاصل ہے اُس کی بنیادی وجہ وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جنہوں نے اپنی تعلیمات وھدایات کو مستقل تصنیف میں نہ سہی تاہم ملفوظات کے قالب میں، اپنے بعد ضرور چھوڑا ہے۔ مختلف مجلسوں میں پیران سلسلہ کی زبان سے جو جو کلمات نکلتے تھے، مریدانِ باصفا انہیں قلمبند کر لیتے تھے۔ اور مرتب کر کے ان ملفوظاتِ مبارک کو کتابی صورت میں شائع کر دیتے تھے۔ مرشدوں کے ارشادات کو جمع اور مرتب کرنے والے خود اپنے اپنے وقت پر صاحبِ ارشاد و بانی سلسلہ ثابت ہوئے !!۔۔ توجہ فرمایئے کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کے ملفوظات ''انیس الارواح'' کے نام سے ''خواجہ معین الدین حسن اجمیریؒ'' نے مرتب فرمائے۔ ''خواجہ خواجگان حضرت اجمیریؒ'' کے ملفوظات ''دلیل العارفین'' کے نام سے ''خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ'' نے مرتب فرمائے۔ پھر ''خواجہ قطبِ عالم'' کے ملفوظات ''فوائد السالکین'' کے نام سے خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ نے۔۔، پھر اِن کے ملفوظات کے غالباً دو نسخے۔۔۔۔ ''اسرار الاولیاء''۔۔۔ اور ''راحت القلوب'' شیخ بدر الدین اسحٰقؒ اور خواجہ نظام الدین نے جمع اور شائع فرمائے۔ پھر اسی طرح شمع سے شمع روشن ہوتی رہی۔ حضرت خوجہ نظام الدین کے اقوال امیر خسروؒ نے ''راحت المحبین'' اور ''افضل الفوائد'' مرتب کئے۔ اور میر حسن علاء سنجریؒ نے ''فوائد الفواد'' ترتیب دیا،۔۔ آخر کوئی کہاں تک گنوائے۔ تب سے لے کر اب تک ان چراغوں کی جگمگ روشنی ہر کس وناقص طالبِ تصوف تک پہنچ رہی ہے ۔۔۔ تکلیف دِہ حیرت یہی ہے، کہ آخر سلسلۂ عالیہ قادریہ کے مشائخ ومخادیم نے یہ تغافل کیوں فرمایا۔ اور اِن کے ماننے والوں نے اِس ''احساس زیاں'' کو کیوں نہ محسوس کیا

؟؟۔۔۔یہ میرا احساسِ کمتری یا خود ملامتی نہیں، بلکہ اہلِ تحقیق اور مطالعہ عمیق رکھنے والے صاحبان پر یہ سب کچھ پوری طرح واضح ہے۔۔اب دیکھ لیجئے اور گن لیجئے۔کہ محدّثِ ہند شاہ عبدالحق دہلویؒ اور شاہ ابوالمعالی قادریؒ کے علاوہ آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ کی تعلیمات وہدایات پر کتنی ایسی کتابیں، ملفوظات کے نسخے یا تبلیغی نصاب ملتا ہے۔جس کو دلیل راہ کے طور پر اختیار کیا جاسکے؟؟؟۔۔آخر سلسلہ قادریہ کی وسیع ہندوستان میں آمد سلسلہ چشتیہ سے مقدّم نہ سہی تو اتنی موخّر بھی نہیں کہ اِن مساعی جمیلہ کا موازنہ، نہ کیا جائے!!!۔۔،،ایک محقّق یا مورّخ اِس مرحلہ پر یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ چند ایک کے سوا، مشائخ ومخادیم قادری نے ہندوستاں میں سلسلہ کی خدمات کو بالائے طاق مصلحت رکھتے ہوئے، ۔بس صرف اور صرف شجروں کی فروخت، ضبطِ نذورات۔اور لاولدوں کی جائیداد واراضیات کے غصب پر زیادہ توجہ دی ہے۔اور مریدانِ باصفاً صفا نے بھی اپنے اپنے حلقہ اقتدار میں یہی کام سرانجام دیا ہے۔

کچھ احباب کے ذریعے، ۔شاہ ابوالمعالی قادریؒ کے حوالے سے، ۔دو کتابوں ''منتخب التواریخ'' از مولٰینا عبدالقادر بد ایوانی۔، اور ''مقاماتِ داؤدی'' از علامہ عبدالباقیؒ کی خبر ملی ہے۔یہ مصنف حضرات سلسلہ عالیہ قادریہ کے انتہائی عقیدت منداور اپنے عصر کے منتخب اہلِ ادب ونگارش تھے۔کتابیں دستیاب نہیں ہیں۔ایک مہربان کے وعدہ کا منتظر ہوں، ۔۔مل گئیں تو اِن سے بھی فیضیاب ہوسکوں گا۔شاید کہ گوہر مقصود ہاتھ آجائے۔

☆☆☆

جناب ''غوث الثقلین، ۔شہنشاہِ بغداد'' اور آپ کے سلسلہ کے بارے میرا زورِ نگارش فضول دکھائی دے گا۔آیئے آپ کو ایسے اہلِ تحقیق کی آراء سنواؤں، جو مسلکاً حنفی

بریلوی نہیں اور مشرباً قادری بھی نہیں ہیں !!۔۔پہلے مولینا عبدالماجد دریابادی کا نگارشہ ملاحظہ فرمایئے۔۔،تصوف کی نو (۹) اہم کتابوں کا اجمالی مطالعہ،۔''تصوف اوراسلام'' میں لکھتے ہیں:

''اگر یہ سوال کیا جائے کہ صوفیائے اکرام کے سارے سلسلوں میں شہرتِ عام اور مقبولیّتِ انام سب سے زیادہ کس کے حصہ میں آئی ؟؟۔۔تو عجب نہیں کہ متفقہ طور پر نام ''حضرت شیخِ جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' ہی کا زبانوں پر آکر رہے دوسرے بزرگوں کے حلقے پھر محدود ہیں۔شیخ جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام سب خاص و عام کی زبان پر ہے۔مختلف ناموں اور تعظیمی لقبوں کے ساتھ ''غوثِ اعظم''،''محبوبِ سبحانی'' وغیرہ، متعدد چلے ہوئے نام اور لقب ہیں''۔

سن لیا آپ نے یہ ایک دیوبندی مولوی کی رائے ہے۔۔،اب سنیئے ڈاکٹر شیخ محمد اکرم کی رائے ان کو بھی قادری ''اپنا'' نہیں بیگانہ اور ''غیر'' کہتے ہیں۔،ڈاکٹر صاحب برّصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی مذہبی ،ثقافتی اور علمی تاریخ،اور ان کے کارناموں پر مشتمل ایک اہم دستاویزی سلسلہ کوثر کی دوسری کڑی ''رودکوثر'' میں سلسلہ اور صاحبِ سلسلہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ۔

''زمانِ وسطیٰ کے ہندوستان میں مرکزی حکومت کی کمزوری کا آخری زمانہ مذہبی انتشار کا زمانہ بھی تھا۔لیکن سیاسی استحکام اور علومِ اسلامی کی اشاعت کے ساتھ حالات سُدھر گئے۔اس اصلاح حالت میں ایک نئے صوفیانہ سلسلے سے بھی مدد ملی،جس نے شمالی ہندوستان بالخصوص پنجاب اور سندھ میں بڑا اقتدار حاصل کیا اور جس کا اثر آج کسی دوسرے خانوادے کے اثر سے کم نہیں۔یہ سلسلہ حضرت پیرانِ پیر غوث اعظم شیخ سیّد عبدالقادر جیلانی قدس اللہ

Marfat.com

سرّہٗ سے شروع ہوا جو ۱۱۶۵ء میں بغداد میں فوت ہوئے، اور جن کے نام پر یہ سلسلہ قادریہ کہلاتا ہے۔ اُس وقت ہندوستان میں چشتیہ اور سہروردیہ کا زور کم ہو گیا تھا۔ اگرچہ ان خانوادوں میں سے اب بھی کئی پاک سیرت اور نیک نفس بزرگ پیدا ہو رہے تھے۔ جن کی زندگیاں عوام کے لئے چراغِ ھدایت تھیں لیکن اِن میں سلطان المشائخ جیسی عظیم الشان شخصیتیں نہ تھیں۔ اس کے علاوہ مغلیہ حکومت کے استحکام اور بالخصوص حرمین الشریفین کے لئے بحری راستہ کھل جانے سے ملک میں اسلامی علوم اور فقہ کی اشاعت بڑھ گئی۔ اس لئے بعض متشرّع بزرگوں کو جو تصوّف اور ذاتی روحانی تجربات کو بھی اہمیت دیتے تھے ایک ایسے صوفیانہ نظام کی تلاش تھی جس کی کوئی بات شرع کی نظروں میں مشتبہ نہ ہو۔ بالآخر نقشبندیہ سلسلے نے اس رجحان کو پورا کیا۔

لیکن.....اس کے فروغ سے پہلے اِسی بارے میں قادریہ سلسلے کو دوسرے قدیمی سلسلوں پر امتیاز حاصل تھا اور اِس کی وجہ سے بڑے بڑے پرہیز گار علماء مثلاً شیخ علی متقیؒ، شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ اور مولٰینا عبدالقادرؒ بدایوانی، علامہ عبدالباقیؒ نے اسی سلسلے میں بیعت کی اور اسے خواص وعوام میں بڑا فروغ حاصل ہوا''۔

سُن لیا؟۔۔اور جان لیا آپ نے؟؟۔۔یہ ہے بغیر لگی لپٹی، بیگانوں کی رائے!!۔ اپنے تو پھر اپنے ہی ہوتے ہیں۔، کوئی غرض بن گئی تو مان لیا۔ گیارھویاں سجائیں میلاد منائے۔ جب غرض نہ رہی تو کچھ بھی نہ رہا۔ اپنوں کی یہی محبت ہوتی ہے۔ جب چاہا آنکھیں بچھائیں، جب چاہا آنکھیں چرالیں!!۔

سلسلہ قادریہ بلا شبہ ایک عظیم خانوادۂ فقر وتصوّف ہے۔ روئے زمین پر کوئی ایسا اسلامی ملک یا مسلم قوم نہیں ہے۔ جہاں جنابِ غوث پاک محبوبِ سبحانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

ماننے اور جاننے والے نہ ہوں۔ جہاں جہاں دین اسلام موجود ہے۔ وہاں وہاں محی الدین سیّد عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعلیمات اور روشنی بھی موجود ملے گی۔ ایسی عالمی عظمت اور مقبولیّت شاید ہی کسی سلسلہ تصوّف کو حاصل ہو!!۔ اور میں صاحبانِ عقل شعور سے گذارش کروں گا کہ وہ صاحب دلوں کی تعلیوں اور مبالغہ آرائیوں سے قطع نظر تعلیمات قادریہ کی معنویّت کا ادراک خود کریں۔ اور ماضی و حال پر ان تعلیمات کے اثرات کا تجزیہ کرتے ہوئے مستقبل کا اندازہ بھی خود ہی لگا کر رائے قائم کریں!!!۔۔۔

میرا مقصد کسی بھی لحاظ سے بین السّلاسل تقابل یا موازنہ'' نہیں ہے۔ تمام سلسلہ ہائے تصوّف ایک ہی نور کی کرنیں ہیں۔ سب کا منبع و مصدر ''مدینۃ العلم و بابِھا '' ہی ہے۔

☆☆☆

اپنے بارے میں کچھ بتانے کیلئے .....کوئی مناسبِ حال و ذات لفظ، اِس ناقص ذہن میں نہیں آرہا۔ ''میں'' سے شروع کرنا انتہائی ناگوار محسوس ہوتا ہے۔ یہی لفظ تو مکالمۂ ابلیس ہے اور احقر تو۔، آدم علیہ السلام کی انسانیت کا وراثتی حقدار ہے !!۔، کسرِ نفسی و انکساری کسی صورت بھی چھوڑنا نہیں چاہتا۔، ''میں'' تو کہیں بھی نہیں ہوں۔، کچھ بھی نہیں ہوں، میری کوئی ذات نہیں ہے اور نہ ہی میری شخصیّت کسی شمار میں ہے۔ اتنا دعوٰی کرتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں کہ۔ ادب و تصوّف کا ایک ادنیٰ ترین مبتدی ہوں!!۔۔ اور جناب غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درگاہ کے خوشہ چینوں کا انتہائی کہتر اور ناقص مرید ہوں۔ یہی نسبتِ غلامی اگر نجات کا باعث بن جائے تو !!۔ کیا کہنے؟؟۔۔ مقدر کا سکندر نہ بن جاؤں''۔۔ آپ کے لئے، میرے بارے میں اتنا جان لینا ہی کافی ہے کہ درگاہِ غوث پاک

Marfat.com

محبوبِ سبحانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادنیٰ خاکروب ۔۔نہیں نہیں بلکہ اس گذرگاہ پر چلنے والوں کے پاؤں کی خاک ہوں۔اور باقی آپ کو اپنے پیرانِ سلسلہ ''قادریہ''۔''غوثیہ''۔''شیخو شریف'' سے متعارف کروانے کی ولولہ انگیز خواہش رکھتا ہوں۔،تو آیئے میرے ساتھ ساتھ میرے شوق وذوق کی وادیوں کی سیر کیجئے۔اور میرے تبصرہ کے ایک ایک لفظ کو گوشِ ہوش سے نوازتے ہوئے دل ودماغ کی مسند پر جگہ دیجئے۔

☆☆☆

سب سے پہلے آپ کا موضع ''شیخوشریف'' کے بارے میں جاننا مناسب رہے گا ۔آج کے شیخو کا محل وقوع کے لحاظ سے سمجھنا چنداں مشکل نہیں۔ترقی کا ایسا زمانہ ہے کہ ہر شئے گرفت اور رسائی میں ہے،اور ہر ایک کے لئے ہے۔پاکستان کے پس ماندہ اور دیہاتی علاقوں میں بھی سڑکوں کے جال بچھ گئے ہیں۔اور آمدورفت انتہائی آسان ہوچکی ہے۔ایک زمانہ تھا کہ شیخوشریف سہولت سے پہنچنے کے لئے ،اپنی ذاتی سواری کے علاوہ دوچار ہمراہیوں کا ہونا انتہائی ضروری تھا۔اور سفر کے لئے وقت بے وقت کا سوچنا بھی لازمی امر تھا۔لیکن آج تو موج ہی موج ہے۔ملک کے جس حصے سے بھی چلو اور جس وقت بھی چلو شیخو پہنچنے کے لئے کوئی دِقّت حائل نہیں ہوگی۔صرف اتنا ہی سمجھ لینا کافی ہے کہ،۔''شیخوشریف'' ضلع اوکاڑہ براستہ بنگلہ گوگیرہ۔بنگلہ گوگیرہ انگریزوں کے دَور میں ضلعی ہیڈکوارٹر رہا ہے۔بطلِ حریت رائے احمد خاں کھرل رئیس آف جھامرہ کی پُراثر اور کامیاب تحریکِ آزادی کے نتائج ،لارڈ برکلے اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ منچورڈ کے قتل،سلاح بند منظّم حکومتی فوج کی ذلت وخواری سے شکست کی صورت میں نکلے۔سازشی انگریز حکومت کے پاؤں اس علاقہ سے یوں اکھڑے کہ دوبارہ نہ جم سکے خاصہ نقصان اٹھانے کے بعد بالآخر ضلع ''منٹگمری'' آج کا ''ساہیوال''

Marfat.com

قرار پایا۔اسکے بعد کچھ عرصہ تک بنگلہ گوگیرہ تحصیل ہیڈ کوارٹر رہا۔پھر تحصیل بھی نہ رہا صرف تھانہ تک اہمیت محدود ہوگئی۔دَورِ حاضرہ جارئیہ میں بنگلہ گوگیرہ پھر ترقی کی طرف تیزی سے گامزن ہے۔دیکھیں آنے والے دنوں میں کیا مقام حاصل کرتا ہے!!۔۔رائے احمد خاں کھرل رئیس آف جھامرہ کی سرکردگی میں اٹھنے والی تحریک آزادی ایک الگ موضوع ہے۔اور تفصیل طلب بھی۔اس کے لئے صفحات اور خاص طور پر وقت کی ضرورت ہے۔جو مجھے میسر نہیں۔اگر فرصت اور فراغت میسّر آئیں تو انشآءاللہ اس موضوع پر بھی بات کریں گے۔

شیخو اور موضع شیخو کے بارے،اپریل ۱۹۷۵ء میں چھپنے والی ایک سوانحی کتاب موسومہ ''حیاتِ سید محمد'' میں جو تفصیلات دی جا چکی ہیں۔اُن سے زیادہ معلومات میں اپنے تیس (۳۰) سالہ دَورِ تحقیق میں بھی حاصل نہیں کر سکا۔البتہ اس تحقیق کی جستجو میں مجھے، جو کچھ حاصل ہوا وہ خاصی دقتیں،دشواریاں اور دل آزاریاں ہیں۔میرا تحقیقی میدان موضع شیخو شریف کے اردگرد کے مواضعات اور اُن میں بسنے والی کھرل اقوام تک محدود تھا۔اور ان لوگوں سے حاسدانہ اور متعصّبانہ رویّہ،اور گفتگو کے سوا مجھے کوئی کام کی بات ہاتھ نہیں آسکی۔نہ جانے اِن لوگوں کو اُس اللہ کے بندے سے کیا بغض وعناد تھا،جس کا نام ''شیخو وجھیرہ'' تھا،لے دے کے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ اللہ کا بندہ ''پیر پرست'' تھا اور یہ دُنیا کے بندے ''مطلب پرست'' ہیں!!۔

موضع شیخو شریف کے جنوب مشرقی سمت ایک بھرا پُرا ''پنڈ'' ہے۔جس کا نام ''موضع فتو آنہ'' ہے۔پورے علاقہ میں بس ایک یہی گاؤں ہے۔جہاں وجھیرہ کھرل قوم آباد ہے۔میں اس گاؤں میں دریافتِ احوال کے لئے بڑے شوق اور محبت سے گیا۔لیکن دل

Marfat.com

بہت ہی بُرا ہوا۔ شخصیّت قسم کے پڑھے لکھے حضرات کا طرزِ تکلم اور رویہ ہی اتنا روکھا اور خشک تھا کہ گفتگو کو آگے نہ بڑھایا جا سکا اور ایک نہایت معزّز قسم کے عمر رسیدہ شخص نے تو شیخو، ۔جس کو ایک زمانہ ''شریف'' کہہ کر پکارتا ہے۔ کے بارے میں ایسے نازیبا الفاظ استعمال کئے کہ اُس کی اپنی شخصیت ہی کا پول کھل گیا کہ معزّزین کے لباس میں کیسے کیسے بدترین قسم کے جاہل اور ادب کے چور چھپے ہوئے ہوتے ہیں!!۔ بہر حال میری مسلسل کھوج کرید۔ دوڑ دھوپ اور ناکامیاں دل آزاریاں بالکل ہی رائیگاں نہیں گئیں۔ بلکہ دورانِ گفتگو، رطب و یابس اور بغض وحسد کے کاٹ دار جملوں میں چھپا ہوا سچ بھی نکھر نکھر کر سامنے آتا رہا۔ اور میری جمع کردہ خاندانی روائتوں کی تصدیق ہوتی رہی۔ تو اب آیئے آپ کو اپنی جمع کردہ معلومات کا ایک مختصر اور مجمل خلاصہ گوشِ گذار کروں۔

آج جہاں ''شیخو شریف'' برقرار ہے، ۔۱۷۵۳ء سے پہلے، چھوٹی یا بڑی کوئی آبادی نہ تھی۔ یہ جنگل نما علاقہ تھا اور گنجی بار کا شمالی دریائی حصّہ کہلاتا تھا کہیں کہیں معمولی چاہی عارضی آبادیاں تو تھیں لیکن کوئی بڑا موضع یا گاؤں اریب قریب نہ تھا۔ مغربی پنجاب کا یہ حصہ اوّل روز سے ہی، غیر مسلم یا مسلم ہر حکومت کے دور میں، لاہور اور ملتان دو صوبوں میں بٹا رہا۔ اور ہمیشہ سرحدی تنازعوں کی آماجگاہ بنا رہا۔ اس لئے یہاں کسی قابلِ ذکر شہری یا قصباتی آبادی کا ذکر برّصغیر کی تاریخوں میں نہیں ملتا سوائے۔ دیپالپور۔ ستگھرہ اور سیّد والا کے۔ اِن سرحدی قلعوں کا قریبی علاقہ تو آباد تھا۔ باقی دریائے بیاس قلعہ دیپالپور سے لے کر دریائے راوی سیّد والا قلعہ تک درمیانی علاقہ سارا جنگل ہی تھا جس کا کہیں کہیں کچھ حصّہ دشت وصحرا اور میدانی بھی تھا۔ مشہور علاقائی روائتوں اور شاہانِ مغلیہ کے عہد کے مقتدر تذکرہ نویسوں (خصوصاً نظام الملک ہاشم علی خاں جو کہ ''خافی خاں'' کے لقب سے مشہور تھے) کی نگارشات

سے یہی جائزہ مکمل ومصدّق ہوتا ہے کہ۔ ستگھرہ اور سیّدوالا سے لے کر ''کوٹ کمالیہ'' اور اُس سے بھی آگے شورکوٹ تک شرقاً غرباً دریائے راوی کے دونوں کناروں کے اطراف کا علاقہ وجھیرہ کھرل سٹیٹ تھا۔ ''کلّے پٹ سنپال'' (موجودہ ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ) کے قریب دریائے راوی کا ایک پتن آج بھی ''وجھیریاں دا پیپل'' کے نام سے مشہور ہے۔ صاحبِ ''تاریخ فرشتہ'' کے علاوہ ''بزمِ تیموریہ'' کے مرتب نے بھی ''تزک بابر'' کے حوالہ سے ایک کھرل امیر ''وجھیرہ'' کا ذکر کیا ہے جو کہ مغل بادشاہ بابر کا حلیف تھا۔ ''واللہ اعلم ورسولہٗ بالصواب''۔۔

تحقیقی مطالعاتی اور مشاہداتی تجزیہ کو سامنے رکھتے ہوئے جو حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ ''وجھیرہ'' خاندان تمام کھرل قبائل کا طرّہ افتخار اور نام وَر قبیلہ تھا، جس کے شاندار ماضی کے شواہد آج بھی زبان زدِ عوام وخواص ہیں۔

موضع شیخوشریف کے اردگرد بکثرت کھرل قبائل بستے ہیں، اگرچہ نام ونسب سب کے الگ الگ ہیں، تاہم حقیقت اور اصل سب خاندانوں کی ایک ہی ہے۔ دریائے راوی کے جنوب میں شرقاً غرباً بسنے والے تمام کھرل قبائل ''چوہریڑاواس'' کہلاتے ہیں۔ یہ قبائل کہاں سے آئے؟؟۔ کس عہد میں آئے؟؟۔ اس کے بارے میں ہر قبیلہ اپنے اپنے پاس مختلف روائتیں رکھتا ہے۔ جو زبانی کلامی سنی سنائی کہاوتیں ہیں۔ کسی کے پاس تاریخی دستاویزی ثبوت نہیں ہیں۔ ہر قبیلہ کے پاس بس یہی فخر موجود ہے کہ ''ہمچوں ما دیگرے نیست'' اِن قبائل کے معتبر افراد سے دریافت احوال اور مذاکرات کے بعد یہ رائے قائم کرنا مجھے حق معلوم ہوتا ہے کہ۔ یہ تمام کھرل قبائل جو دیپالپور، ستگھرہ تا شورکوٹ پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ میرچاکر اعظم رند بلوچ کے لشکر جرّار کے حلیف قبائل ہیں۔ اور اس ''تجزیہ'' پر رائے صادق محمد ولد محمد ماہی دھیرو کا کھرل (ساکن 30/G.D تحصیل وضلع اوکاڑہ) کا یہ بیان

Marfat.com

شاہد و عادل تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ۔ ''قوم چوہریڑا عہد قدیم میں اُچ شریف سے نقل مکانی کر کے دریائے چناب کی ایک وادی میں آباد ہو گئے۔اور اس طرح چناب اور راوی دو دریاؤں کی درمیانی وادیوں میں پھیل گئے'' ۔رائے صادق محمد ایک گریجوایٹ اور تعلیم یافتہ شخصیّت ہیں۔اور اپنے ہم عصر کھرل قبیلوں میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں، کوئی وجہ ایسی نہیں کہ اِن کے بیان کو قبول نہ کیا جائے۔

میر چاکر خان رند کی شہادت اور بلوچ اقتدار کے زوال کے بعد اگر چہ یہ تمام کھرل قبیلے اپنے اپنے حلقہ اثر میں آزاد و خود مختار ہو گئے، پھر بھی رائے وجھیرہ سردار کے حلف پر قائم رہے اور اس کی ماتحتی پر وفادار رہے۔اُس عہد کے وجھیرہ سردار کا نام کیا تھا؟'' ۔یا اس کا دارالامارۃ یعنی راجدھانی کس جگہ تھی؟؟'' ۔یہ سب معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔البتہ مغل تاجدارِ دہلی، لاہور شاہجہان بادشاہ کے عہد میں نواب چاوا وجھیرہ کا ذکر سننے میں آتا ہے جسکی امارت دیپالپور، شیخوپورہ اور کوٹ کمالیہ کے درمیان واقع تھی۔جس کے شاہی محصولات نقد و جنس لاہور کے صوبہ دار (گورنر) کے ماتحت تھے۔علاقائی روائتوں، کہاوتوں اور داستانوں سے نواب چاوا وجھیرہ کی شاندار شخصیّت کا جائزہ مرتب ہوتا ہے۔آج بہت سے کھرل قبیلے جاہلانہ عصبیّت کی بنا پر نواب چاوا کو اچھے لفظوں میں یاد نہیں کرتے حالانکہ یہی قبائل ایک زمانہ میں اس کے حلیف اور دستِ نگر تھے۔اور اُسی کی عطا کردہ اراضی پر اپنی اپنی امارت کی مسند سجائے بیٹھے ہیں۔

نواب چاوا وجھیرہ کی شرافت، سخاوت، اعلیٰ نسب و نجابت، دریا دلی اور کشادہ دستی کا اعتراف اور کوئی قبیلہ کرے یا نہ کرے، سادات گیلانیاں کے دو قبیلے اُس کو نہیں بھول سکتے۔وہ ہیں ''شیخوشریف'' اور ''بی بی پور'' کے گیلانی سادات۔بی بی پور اور چک جانی شاہ

Marfat.com

کے سادات کے جدِّ اعلیٰ حضرت سیّد جانن امام کی زوجیّت میں،نواب چاوا وجھیرہ نے اپنی اکلوتی دختر مسماۃ بی بی ، بمعہ کثیر مال اموال اور اراضی پیش کر دی اور یہ سب کچھ انتہائی عقیدت اور فخر و انبساط کے ساتھ کیا۔۔اور اسی نواب چاوا وجھیرہ کے درویش بیٹے ''شیخو'' نے اپنی کثیر اراضی حسنین سائیںؒ (بانی شیخوشریف) کوارادت اورمحبت سے ہبّہ کر دی۔کیا اولادغوث پاک سے عقیدت کی ایسی مثال کسی اور قبیلہ یا شخصیت نے پیش کی؟؟''۔۔میرے خیال میں ایسی نظیرومثیل اگرکہیں ملے گی بھی،تو بہت مشکل سے،اور قلیل ہوگی۔

☆☆☆

تصوّف اوراہلِ تصوّف کی تاریخ بہت قدیم اور بہت ہی طویل ہے۔آج پاکستان میں موجوداوردستیاب تصوّف کے تذکرہ جات کواگرگننا شروع کیا جائے توعاجز کے خیال میں بہت مشکل ہوگا۔اسی طرح غیر منقسم ہندوستان میں قلمی واشاعتی تذکروں کا شمار بھی قدرے مشکل ہے۔مختصر یہ کہ ایسے تمام نسخوں میں مشائخ سلسلہ قادریہ کے تعارف پر بہت کم کام کیا گیا ہے۔پاک وہند میں سلسلہ قادریہ کی ماشآءاللہ بہت سی شاخیں ہیں۔اورحق اعتراف یہ ہے کہ سلسلہ اوراس کے مشائخ کی تعریف پرسب سے زیادہ کام (بصورت شریف التواریخ) جس نے کیا ہے وہ ''نوشاہیہ قادریہ'' خانوادہ ہے۔نہ جانے دوسرے تذکرہ نویس،مؤرخین نے یہ تجاہلِ عارفانہ کیوں اختیار کئے رکھا۔''اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے یا اس کا رسول ﷺ''۔۔کیااِس کو،تاریخ وتصنیف اورتحقیق وتالیف کے ساتھ انصاف کہا جائے گا یاظلم''۔

☆☆☆

یہ بات حقیقت کے عین قریب ہے۔کہ کتابیں ہمیشہ کسی نہ کسی مصلحت اور ذاتی

Marfat.com

مقصد کے تحت اپنے اپنے حلقہ اثر کی جمعیّتِ خاطر کے لئے لکھی گئی ہیں۔جن میں عوام کے فائدہ کا بہت کم خیال رکھا گیا ہے۔لہذا تاریخ وتحقیق کو بھی اسی پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔اورآج کے مصنفین ومحققین کا تو یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ قدیم دَور سے لے کر دَور جدید تک، لکھی جانے والی ''تواریخ'' ہمیشہ سرکاری سرپرستی میں حکمرانوں کے دباؤ اور کھینچا تانی کے ماحول میں تحریر کی گئی تھیں ۔جو سراسر حکومتِ وقت کی، بجا اور بے جا تائید وحمایت میں ہوتی تھیں۔اِس پر دلیل عہد اُموی سے لے کر بعد تک کی تمام عالمی اسلامی حکومتیں اور اقتدار اور انکی آپس میں کشمکش ہے۔یہی حال برِّصغیر کی اسلامی حکومتوں کا تھا، جنھوں نے اپنے اقتدار کے لئے زیادہ اور اشاعتِ اسلام کے لئے بہت ہی کم کام کیا۔اِن سب پر مستزاد اور قوی دلیل ۱۸۵۷ء کے واقعات ہیں۔جنہیں غاصب انگریز اور متعصب ہندو مؤرخین نے بغاوت اور مسلمان مؤرخین نے جنگ آزادی کا نام دیا۔

مؤرخین کا ایک اور قبیلہ بھی ہے، جو ہر دَور میں سرگرم عمل رہا ہے۔جو عام طور پر تواریخ بادشاہوں اور حکمرانوں کے کارنامے بیان کرنے کے لئے لکھتے رہے ہیں۔جن میں سچ کم اور جھوٹ کی آمیزش زیادہ محسوس کی جاسکتی ہے۔لہذا اس تضاد بیانی کا شکار کئی حقائق ہو گئے۔جن کو آج تاریخی اسناد سے صحیح ثابت کرنا ناممکن ہوگیا ہے۔جیسا کہ صاحبِ تاریخ فرشتہ نے دہلی کے سلطان سکندر لودھی (م۹۲۳ھ) اور جناب سیّد عبدالقادر ثانی اُچویؒ کے درمیان نماز پر ایک مباحثہ کی حقیقت کو حذف کیا ہے اور بادشاہ کی طرف داری میں لکھا ہے۔یہ واقعہ ہم حیات الامیر جلد اوّل میں بیان کر چکے ہیں۔''قارئین'' خود غور کر سکتے ہیں کہ ہر واقعہ کے ساتھ ایک مؤرخ کا ملحق ہونا ضروری نہیں ہوتا۔کچھ واقعات کے لئے سینہ بہ سینہ چلنے والی روائتوں، کہاوتوں بلکہ غلط العوام پر بھی یقین کرنا پڑتا ہے۔اگرچہ ان کے بارے میں تاریخی

Marfat.com

اسناد نہ میسّر ہوں تب بھی ۔اسی سلسلہ کی ایک کڑی سیّد عبدالقادر ثانیؒ کے فرزند اکبر سیّد زین العابدین کی شہادت ہے۔جنکو سلطان لودھی نے اُچ سے طلب کر کے ناگور کی بغاوت فرو کرنے کے لئے روانہ کیا تھا۔یہ واقعات یعنی مباحثہ نماز اور شہادت سیّد زین العابدین بن سیّد عبدالقادر ثانیؒ کی تفصیل بھی (ج۔ا) میں گذر چکی۔

برِّصغیر پاک و ہند میں سب سے پہلے طریقہ قادریہ کے جس بزرگ کا نام ملتا ہے وہ دکن کے شاہ نعمت اللہ قادری (م ۱۴۳۰ء) تھے۔لیکن اِن سے یہ سلسلہ آگے پھیل نہ سکا اور صحیح طور پر جس بزرگ نے ہندوستان میں اِس سلسلے کا آغاز کیا۔وہ حضرت مخدوم سیّد محمد گیلانی قدس اللہ سرّہٗ العزیز تھے۔آپ حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے تھے۔آپ کو بندگی سیّد محمد غوث حلبی اور محبوبِ سبحانی اُچویؒ بھی کہا جاتا ہے۔

پیرانِ قادری گیلانی شیخوشریف کا شجرۂ نسب اور بیعت وخلافت دونوں سلسلے مذکور و موصوف سیّد مخدوم بندگی سیّد محمد غوث اُچوی حلبی جیلانی علیہ الرحمت سے جا ملتے ہیں۔گویا کہ حضرت مخدوم برِّصغیر پاک و ہند میں سلسلۂ عالیہ قادریہ غوثیہ کے ایسے سنگِ میل ہیں۔جن سے ایک طرف تو حلب و بغداد۔جیلان و نجف اور مدینہ و مکّہ تک راہنمائی حاصل ہوتی ہے اور دوسری طرف اُچ ،ملتان، ستگھرہ ،لاہور، دیپالپور اور شیخوشریف تک نشان دہی ہوتی ہے۔بلکہ یہ کہنا کوئی مبالغہ نہ ہوگا کہ آپ ہی کی ذات والا صفات کے واسطے سے پورے ہندوستان میں حضور جناب غوث الاعظم محبوب سبحانی السیّد عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد کی شناخت اور تصدیق ہوتی ہے۔

اس سلسلہ، ''تذکرۃ الابرار'' کے بارے میں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ ساداتِ گیلانی شیخوشریف کے نسب، بیعت اور خلافت کی تاریخ ہے۔جس طرح ''شجرۃ الانوار'' پوری اولاد

Marfat.com

بندگی سیّد محمد غوث اُچوی کی نسبی تاریخ ہے۔ ''شجرۃ الانوار'' کے کاتبین یا خود صاحبِ شجرۃ الانوار نے، ساداتِ شیخوشریف کے بالتفصیل ذکر سے تغافل برتا ہے۔ لہذا ضرورت تھی کہ اسکا ازالہ کیا جائے۔ کیونکہ بندگی سیّد محمد غوث اُچوی کے تین صاحبزادوں کی اولاد برِّصغیر میں آباد و شاد ہے۔ اور سب کا ذکر تفصیل کے ساتھ شجرۃ الانوار میں رقم کیا گیا ہے۔ حیرت ہے کہ یہ تغافل سیّد عبدالقادر ثانی اُچویؒ کے بڑے صاحبزادے سیّد زین العابدین شہید ناگور اور ان کی اولاد کے بارے میں کیوں اختیار کیا گیا؟؟'' ۔ اور پھر یہ سلسلہ یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ، اولاد بالا پیر سیّد محمد غوث ستگھرویؒ اور اولاد سیّد عبدالرزاق گیلانی المعروف داتا شاہ چراغ لاہوریؒ کے بارے میں بھی یہی تعصّبانہ رویّہ اختیار کیا گیا۔ اور پھر اسی زیادتی پر بس نہیں کیا گیا، بلکہ سادات شیخوشریف کے دو اجداد کی مزارات کی نشاندہی سے آج تک گریز کیا جاتا ہے۔ جبکہ یہ مزارات سیّدا سمٰعیل و سیّد اللہ بخش دونوں باپ بیٹا کی احاطۂ دربار شاہ چراغ لاہوری عقب ہائی کورٹ میں تھیں۔ اور آج غائب کردی گئیں۔

لہذا عرصہ سے ایک ایسی کتاب کی ضرورت محسوس کی جاتی رہی، جس سے اولاد بالا پیرؒ پر ڈالے گئے حجابات کو اُتار کر ان کو زمانہ میں روشناس کروایا جائے، احقر راقم نے ۱۹۷۵ء سے لے کر آج تک مسلسل تحقیق اور کوشش جاری رکھی۔ اور بحمداللہ آج اپنی اس کوشش میں کس قدر کامیاب ہوا؟؟۔ اس کا فیصلہ قارئین کریں گے۔

راقم نے خصوصاً بندگی سرکار سیّد محمد غوث اُچویؒ کے بڑے بیٹے سیّد عبدالقادر ثانی علیہ الرحمت اور پھر اِن کے بڑے بیٹے سیّدنا مخدوم زین العابدین شہیدِ ناگور کی اولاد کے ذکر کو مقصد و مراد اور موضوع کتاب بنایا ہے۔ اور یہ رویّہ دانستہ اختیار کیا ہے۔ اس لئے کہ میرے پیش رو ساداتِ گیلانیاں کے تذکرہ نگار حضرات اور صاحبِ ''شریف التواریخ'' کی بھی یہی

Marfat.com

روش تھی، کیونکہ ان سب حضرات نے جو کچھ بھی لکھا اپنی اپنی مطلب برآری کے لئے لکھا۔

☆☆☆

احقر راقم نے اس کتاب کا نام ''تذکرۃ الابرار'' تجویز کیا ہے۔اور اس پر سطور اوّل میں بحث کی جا چکی ہے۔اب عرض یہ کرنا ہے کہ اس کتاب کو چار حصّوں میں تقسیم کیا ہے۔

☆ پہلا حصہ:۔ حضورِ اکرم محمد مصطفٰے ﷺ اور سیّدنا علی المرتضٰے کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ الکریم سے لے کر حضرت سیّدا بوصالح موسٰی جنگی دوست قدس سرہٗ العزیز تک۔

☆ دوسرا حصہ:۔ حضور سیّدنا غوث الاعظم محبوب سبحانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر حضرت ابو محمد شمس الدین محمد اعظم علیہ الرحمت تک۔

☆ تیسرا حصہ:۔ حضرت بندگی سیّد محمد غوث اُچوی قدس اللہ سرّہٗ العزیز سے لے کر حضرت سلطان الفقرآء سیّدا مام حیدر بخش رحمۃ اللہ علیہ تک۔

☆ چوتھا حصہ:۔ سیّد حسن بخش المعروف داتا حسنین سائیں والی شیخوشریف سے لے کر حضرت سیّد محمد حُسین علیہ الرحمۃ و برکاۃ اللہ (سیّدی و مُرشدی و والدی)۔ جنکے طفیل و توسط سے یہ احقر کندۂ ناتراش اس قابل ہو سکا کہ کتاب ھذا کے مؤلف ہونے کا دعوٰی کرے۔

ترتیب اسمائے جدّیہ از حسنین سائیں تا سیّدنا علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہٗ الکریم کے لئے میری راہنما اور ماخذ ''جدّی کرسی'' ہے۔یہ ایک منظوم شجرہ ہے۔جو کہ میرے جدِّ اعلیٰ سیّد حسن بخش المعروف داتا حسنین سائیںؒ کا نظم کردہ ہے۔یہ شجرہ ۲۰۸ ابیات پر مشتمل ہے۔قلمی ہے، آج تک طبع یا شائع نہیں کیا گیا۔یہ شجرہ قلمی نسخوں کی صورت میں آپ کی تمام اولاد کے پاس محفوظ ہے۔اس کا پڑھنا اور سمجھنا تمام شہزادگانِ گیلانی (شیخوشریف) کے لئے

Marfat.com

فرضیت کی حد تک ضروری ہے۔لیکن بصد افسوس یہ لکھنا پڑے گا کہ کسی بھی صاحب کی توجہ اس طرف نہیں۔اگر خاندانی مصلحتیں آڑے نہ آتیں تو احقر راقم کی خواہش تھی کہ پورا منظّم شجرہ بزبانِ فارسی شائع کر دیا جاتا۔

بہر حال بطور نمونہ چند اشعار اہلِ ذوق کی ضیافت طبع کے لئے درج کرتا ہوں حمد و نعت سے ''مثنوی'' کا آغاز کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

حمد گوئیم بے قیاس از جان و دِل　　آنکہ پیدا کرد آدم رازِ گل

خلقت ہژدہ ہزار عالم نمود　　از عدم بخشید تشریفِ وجود

خاکی را از خلائق برگزید　　روحِ خود در قالبِ اورا دمید

در حقِ انساں چنیں گفتہ خدا　　سِرِّ اوما ئیم واو شد سِرِّ ما

مندرجہ صدر حمد کے اشعار تھے۔اب کمالِ اختصار کے ساتھ نعتِ رسول ﷺ کے اشعار ملاحظہ کریں جن میں آمد ہی آمد صاف نظر آتی ہے۔ ؎

اشرفِ انساں محمد احمد است　　ہر دو عالم مست جام از او شد است

رحمت اللعالمین فرمود ، حق　　بر سر آدم ازاں دارو سبق

از طفیلش انبیآء و اولیآء　　یافتہ راہ در حریم کبریا

اے خدا ! بفرست تو صلوٰۃ را　　بردے و بر آل پاک باصفا

تفصیلات وتوضیحات کو اختصار میں نمایاں رکھنا اعلیٰ شاعری کا وصف گِنا جاتا ہے اور وہ اِس مثنوی میں جگہ جگہ اپنی بہار دکھاتا ہے۔عجز وانکسار بھی حسنِ شعر ہے۔اور یہیں سے

آپ شجرہ کو شروع کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو ۔

بندۂ پُر عیب حسن بخش نام ابنِ حیدر بخش شاہِ خاص وعام

اپنے نام کے سابقہ کو "بندۂ پُر عیب" سے عبارت کیا ہے، یہ اہلِ ارادت کے لئے کمال عجز ہے۔ عقیدتمند مُریدوں اور اولاد کے ذہن وزبان پر آپ کا یہ کلمہ اظہارِ عجز، ثقل پیدا کرتا ہے۔ جس کو بعد کے نسخوں میں اِس طرح رقم کیا گیا ۔

"ہادیٔ پُر فیض حسن بخش نام"

شعر و نظم میں آپ کو خداداد ملکہ حاصل تھا۔ افسوس یہ ہے کہ آپ کے کلام کو جمع اور محفوظ نہ کیا جا سکا۔ اور یہی المیہ آپ کے والدِ ماجد سیّدنا حیدر بخشؒ کے کلام کے بارے میں ہے۔ کہ آپ کا "دیوان" سکھا شاہی کی دست و برد کی نذر ہو گیا۔

☆☆☆

شجرۃ الانوار میں کسی جگہ پڑھا تھا کہ "قادر سائیں"، (شیخو والے) بھاکری سادات کے نواسے ہیں۔ یعنی حسنین سائیں کی پہلی شادی بھاکری سادات میں ہوئی۔ سمجھ میں نہ آسکا کہ یہ بھاکری سادات کون سا کنبہ ہے۔ احقر راقم کا دعویٰ یہ تھا۔ کہ قادر سائیں کے ننھیال بھی ساداتِ گیلانی تھے اور حضرت شاہ چراغ لاہوری ہی کے خاندان سے تھے۔ تفصیل اور تشریح اسکی "حیاتِ حسنین سائیں" میں دے چکا ہوں۔ جو صوت ہادی کے سلسلۂ اشاعت نمبر ۶ میں یکم دسمبر ۲۰۰۶ء کو چھپ چکی ہے، اور آج مسلسل تحقیق کے نتیجہ میں، مجھے میرے دعویٰ کا ثبوت بھی مل گیا ہے آیئے اِس دعویٰ کے ثبوت کو بھی ملاحظہ کریں۔

۲۹ فروری ۲۰۰۸ ۔ مطابق ۲۱ صفر ۱۴۲۹ ھجری بروز جمعہ کو دو مستند اخباروں (نوائے وقت اور جنگ) میں "حضرت فضل شاہ بھاکریؒ" کے عنوان سے ایک مضمون چھپا، لکھنے

Marfat.com

والے ''پروفیسر سید محمد مسلم کاظمی'' ہیں۔جنہوں نے موصوف کے شجرۃ نسب میں بھاکری سادات کی وضاحت کی ہے۔تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

پیر فضل شاہ ۱۸۲۷ء کونواں کوٹ لاہور میں پیدا ہوئے اور ۶۳ سال کی عمر میں ۱۸۹۰ء میں وفات پائی۔ان کا نام دنیائے ادب میں جانا پہچانا ہے۔انہوں نے اپنے بارے میں اطلاع دیتے ہوئے اپنا شجرہ خود اپنے ہاتھ سے نقل کیا ہے۔شجرے کے مطابق پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے یہ شجرہ بھاکری سادات کے ایک بزرگ سید سبز علی عبداللہ نے مرتب کیا۔یہ شجرہ اب بھی انکی اولاد کے پاس محفوظ ہے۔یہ سادات دراصل نقوی ہیں۔آئمہ اہل بیت کے نویں ۹ تاجدار حضرت امام نقوی علیہ السلام کی اولاد۔وضاحت اس طرح ہے کہ حضرت امام نقی کے دو بیٹے تھے۔بڑے حسن عسکری اور دوسرے جعفر ثانی،۔جعفر ثانی کے بیٹے علی اصغر تھے۔علی اصغر کے دو بیٹے تھے،بڑے کا نام اسماعیل اور لقب ''بھکر'' تھا اِس لئے اِنکی اولاد بھاکری کہلاتی ہے۔ان کی اولاد میں سے ہندوستان پہنچنے والے بزرگ،سید محمد شجاع تھے۔اِن کے ایک بیٹے سید محمود مکی نے دریائے سندھ کے کنارے کچھ زمین خریدی اور یہاں آباد ہو گئے۔سادات بھاکری کی نسبت سے اس بستی کا نام بھکر پڑ گیا۔روہڑی کے اردگرد سادات بھاکری کافی تعداد میں موجود ہیں۔

قارئین یہ تاریخ ہے سادات بھاکری کی۔اگر آپ میری تالیف حیاتِ حسنین پڑھ چکے ہیں تو،اور نہیں پڑھی تو پڑھ کر فیصلہ خود اپنے قیاس کے مطابق کرلیں کہ میں اپنے دعویٰ میں کس قدر حق بجانب ہوں۔یہاں میں اپنے اُس سوال کو پھر دہرانا چاہتا ہوں کہ۔حسنین سائیں کے بارے میں،پورے خاندان میں یہ بات مشہور ہے کہ آپ اپنے ننھے منے بچے اور جوان بیوی کو لاہور چھوڑ کر شیخوشریف آ بسے۔سوال یہ ہے کہ آخر آپ اپنے بیوی بچے کو کس

Marfat.com

کے پاس چھوڑ کر آ گئے تھے؟؟ اور کیوں؟؟۔ اگر وہ بھاکری سادات کی خاتون تھیں تو انکو اپنے میکہ میں چھوڑتے؟؟۔ جبکہ سلطان پوریالا ہونز چھوڑ کر آ رہے تھے۔

☆☆☆

اب میرے لئے یہ تو ممکن نہیں کہ ''حیات الامیر'' (دوسری جلد) میں زبان و بیان کا وہ اسلوب اختیار کروں، جو بالا پیر کے عہد میں رائج تھا۔ اللہ جانے اُس دور میں روزمرہ بولی جانے والی زبان فارسی تھی یا اردو۔ پھر اُس عہد میں رائج الوقت اسلوب سے واقفیت حاصل کرنے کیلئے کسی طرح کی کتب بھی دستیاب نہیں۔ لہذا زمانہء حال کا اسلوب تحریر و بیان اختیار کرنے پر مجبور ہوں۔ ویسے بھی آپ جناب امیر قدس اللہ کے حالاتِ زندگی، آج کے زمانہ کے عوام و خواص کے علم میں لانا مقصود ہیں۔ انشاء پردازی کا کمال دکھانا نہیں۔

بعض اوقات شہرت، مقبولیت اور عقیدت بھی لوگوں کیلئے وبال جان بن جاتی ہے۔ ''میں آجکل انہی حالات سے دوچار ہوں''۔ ملنے اور آنے جانے والے احباب کے صرف سلام و زیارت، میرے تحریر و تالیف کے اوقات میں بری طرح حارج ہوتے ہیں۔

دور حاضرہ میں، جبکہ ہر طرح کے وسائل کی بھرمار ہے میرے لئے جناب بالا پیر امیر قدس اللہ کی سوانح حیات لکھنا انتہائی مشکل اور دشوار ہو گیا ہے۔ وجہ؟؟۔ آپ کی اولاد خصوصاً جو میرے قریبی اور دربارِ گوہر بار کے گرد و نواح میں آباد ہیں، بالکل تعاون پر آمادہ نہیں ہیں۔ جناب بالا پیر سائیں کی اولاد ماشآء اللہ، سید عبدالرزاق شاہ چراغ لاہوری کے سات بیٹوں میں سے چھ کی اولاد گنی جاتی ہے۔ اِن چھ صاحب اولاد بزرگوں میں سے بھی دو کی اولاد ذکور کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔ باقی چار صاحبانِ والا شان کی اولاد موجود ہے۔ اور اپنی اپنی عملداری میں پورے تزک و احتشام، عزت و احترام سے آباد شاد ہیں۔ لیکن کیا

Marfat.com

کروں؟؟، سب حضرات بے شعور جذبات سے متاثر اور تعصب کے بے لگام گھوڑے پر سوار ہیں۔ کہ آج ساڑھے پانچ سو سال کے بعد بھی، نہ کچھ کرنا چاہتے ہیں اور نہ کسی کو کرتا دیکھ سکتے ہیں۔ اِن حالات میں دامن بچا کر بھی لکھنا آسان نہیں جسے سب حضرات قبول کر لیں۔

☆☆☆

بالا پیر سائیں کے دربار کے پاس پڑوس بسنے والے کچھ متعصب، بداعتقاد یہ سوال کرتے ہیں کہ ''بالا پیر تو ایک نام ہوا، لوگ ''سائیں'' کیوں کہتے ہیں''؟؟۔ کیونکہ سائیں تو وہ ہے۔'' (اوپر انگلی اٹھا کر اشارہ کرتے ہیں)''

اِس سوال کا یہی جواب سمجھ میں آتا ہے کہ پوچھنے والے مُلاں گیری کے ایک محدود دائرہ علم کے آدمی ہیں۔ جو زبان و ادب اور اپنے ملک کے جغرافیائی، لسانی اور معاشرتی علوم سے ناشناس ہیں۔ کہ ایسا سوال کر بیٹھے، صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ کے بندوں کے مراتب عالیہ سے جلتے ہیں۔ خود اِس راز تک پہنچ نہیں سکتے، دوسرے پر اعتراض۔ کاش! یہی سوال ملتان، سندھ اور سرائیکی علاقہ کے کسی عام فرد سے کر کے دیکھے اور سنے کہ لفظ ''سائیں'' کے لغوی نحوی اور مجازی معنی کیا ہیں۔ افضال کی سوچ یہ ہے کہ ''اللہ'' کو سائیں کہنا بے ادبی ہے۔ کیونکہ عام طور پر معاشرے میں لوگ۔ فقیر، مست وار بلکہ مخبوط الحواس یا بھکاری کو مجازا ''سائیں لوک'' کہہ کر پکارتے ہیں۔ فصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم۔

جناب غوث اعظمؓ اور آپکے سلسلہ قادریہ کا نام آنے پر، نہ جانے سنجیدہ، مدبر اور تذکرہ نویس حضرات کو چپ کا قفل کیوں لگ جاتا ہے۔ دوسرے اولیاء اور انکے سلاسل کے بارے میں مبالغہ اور تعلّی سے بھی گریز نہیں کرتے۔ سلسلہ قادریہ کے سربراہِ اعلےٰ و اعظم جناب غوث الاعظم کے علو مرتبت پر جلی کٹی باتوں کی بوچھاڑ اور بے جا اعتراضات کو تحقیق کا نام دیکر

Marfat.com

اپنی بدحواسی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔کوئی بصیر پور سے اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔اور اپنی بے بصری کا مظاہرہ کرتے ہوئے آسمان کی طرف تھوکنا شروع کر دیتا ہے۔کوئی گڑھی اختیار خان سے اپنی مکروہ اور بے تکی عَف عَف شروع کر دیتا ہے۔آخر یہ لوگ ایسی کمینگی کے مظاہرے سے اپنے کس جذبہ کی تسکین کرتے ہیں۔اور کیا حاصل کرتے ہیں۔سوائے اس کے، کہ اپنے ہی منہ سر کو سیاہ اور خاک آلودہ کرنے کے۔

☆☆☆

افضال عرض کرتا ہے۔کہ یہ تدریجی مقالہ، جو آپ پڑھ رہے ہیں۔حیات الامیر جلد دوم کا مقدمہ ہے۔پہلی جلد یقیناً آپ پڑھ چکے ہونگے پہلے حصہ میں حقائق اور کچھ دقائق بیان کرنے میں ضرور جارحانہ طرز بیان آپ نے محسوس کیا ہوگا۔اِس بارے میں آپ میری معذرت یا مجبوری ضرور قبول کرلیں۔کیونکہ میرے مطالعہ، تحقیق، حالات اور خیالات کا تقاضا یہی تھا۔کئی حضرات، اپنے اور بیگانے، جنہیں اپنے علم، معلومات اور مطالعہ کا دعویٰ تھا، اِن کا کہا، پرائی زبانوں سے سنا، بلکہ روبرو اپنے کانوں سے بھی یہ کہتے سُنا کہ ''جناب بالا پیر ایک سیلانی فقیر تھے اور انکے سید ہونے کی بھی تصدیق نہیں، نہ کہیں اِن کی اولاد ہے۔طبع شدہ تصوف کی تاریخ اور تذکروں میں اِن کا کوئی ذکر نہیں ملتا'' تو صاحبان!!ایسی ایسی فضول گوئی کی جراحت کیلئے صراحت کی ضرورت تھی، جس کو پہلے حصہ میں بیان کیا گیا۔وکذٰلِك الحق من ربّی۔

افضال کو یہ دعویٰ تو نہیں کہ اسکی تحریر و تالیف مکمل طور تاریخ و تحقیق کا احاطہ کرتی ہے۔لیکن اتنا ضرور کہے گا کہ ''میرے نکتہءنظر کو سمجھنے کیلئے تاریخ کے طالب علم کو صلائے غور و خوض ضرور ملے گی۔اور یہ سرگذشت صدا بصحرا نہیں ہوگی بلکہ اِس صدا کی بازگشت دنیا و آخرت

Marfat.com

میں گونجتی رہے گی۔اِن شآءَ اللہ تعالےٰ۔

☆☆☆

عام قاری کیطرف سے ایک شکایت ملی ہے کہ ''حیات الامیر حصہ اوّل کی سمجھ نہیں آئی، زبان وبیان مشکل ہے۔''

یہ شکایت کسی حد تک مناسب ہے۔یہ کتاب عام قاری کی دلچسپی کیلئے تھی ہی نہیں۔کتاب کی زبان اور طرز بیان تو بالکل سلیس اور آسان ہے۔دراصل یہ کتاب ایک خاص مکتب فکر کے حضرات کیلئے تھی، جو تحقیق وجستجو کی پُر خار وادیوں کے سیاح ہیں اور نقد ونظر کے اسرار ورموز سے واقف ہیں۔دوسرا اور آخری حصہ جو آپ کے ہاتھ میں ہے۔اِس میں عام وخاص قارئین کے لئے تمام وکمال دلچسپیاں موجود ہیں۔راقم یہ تو نہیں کہتا کہ اِس میں ہر ایک کے جذبوں کی تسکین ہے۔البتہ خانوادۂ غوث الاعظمؒ، خصوصاً بالا پیر حضور کے عقیدت مندوں، شیدائیوں کے اطمنانِ قلب کیلئے بہت کچھ موجود ہے۔صرف مسلسل مطالعہ شرط ہے۔

☆☆☆

مقالہ سننے والے احباب میں سے بعض نے حیرت کا اظہار کیا۔''کہ بالا پیر امیر قدس اللہ سرہ، کی طبعی عمر بیالیس سال تھی!''۔اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟؟۔سادات عظام کی تاریخ اور شجرۃ الانساب میں ایسی کئی شخصیتیں ہیں جو اِن سے بھی کم عمر میں فوت ہوئیں اور کثیر الاولاد بھی تھیں۔مثلاً حضرت ہاشم بن عبدالمناف، جو سادات ہی نہیں رسول ﷺ کے جدِ اعلیٰ تھے کے بارے میں ''زرقانی'' جلد اول بحوالہ خاندانِ رسول ﷺ، صفحہ ۳۳ پر رقم ہے کہ ہاشم بن عبدالمناف نے مکہ میں تجارت کو بہت فروغ دیا۔شاہ نجاشی اور قیصرِ روم سے

اپنی تجارت پر ٹیکس معاف کروایا تھا۔مختلف قبائل سے معاہدات کر کے اپنی شاہراہوں کو محفوظ بنایا تھا۔حجاج کرام کو نہایت سیر چشمی سے کھانا کھلاتے تھے۔آپ چرمی حوضوں میں پانی بھروا کر زم زم اور منیٰ کے پاس سبیل رکھواتے تھے۔آپ ایک تجارتی کارواں کے ساتھ شام گئے تھے۔کہ ۵۱۰ء میں وہیں غزہ (موجودہ فلسطینی شہر) کے مقام پر فوت ہو گئے۔وفات کے وقت اُنکی عمر صرف پچیس (۲۵) سال تھی۔

(سیرت النبی جلد اول ۱۷۱۔سیرت احمد مجتبیٰ ۱۴۷ اور "زرقانی")

☆☆☆

اور جب ابراہیم (علیہ السلام) کو اُن کے رب (تعالیٰ) نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ کامیاب اترے تو خدا نے فرمایا (ابراہیم) "میں تم کو لوگوں کا امام (پیشوا) بناؤنگا"۔(ابراہیم) نے کہا "(پروردگار) میری اولاد میں سے بھی (امام بنائیو)!۔(خدا نے) فرمایا، "ہمارا وعدہ (اقرار) ظالموں کیلئے نہیں ہوا کرتا"۔

(پ۱ سورہ بقر)

یہ حکم اللہ تعالےٰ، خالقِ اکبر کا ہے۔اِس کی سند قران ہے۔قرآن رسول ﷺ پر اترا۔ابراہیم اور اسماعیلؑ کے بعد امامت کی مسند پر آپ ﷺ کی اولاد (آل) کو یہ اعزاز قیامت تک حاصل رہے گا۔یہ اعزازِ امامت ظالمون کیلئے نہیں ہے۔

تاریخ اسلام شاہد ہے کہ خلافتِ راشدہ کے ماہ وسال، حضرت امام حسنؑ پر ختم ہو گئے۔آپ کے بعد خلافت، خلافت راشدہ نہ رہی بلکہ امارت، ریاست اور سلطنت کی سیاست میں بدل کر رہ گئی۔اللہ تعالےٰ کے وعدہ کے مطابق، ظالم لوگ امیر المسلمین یا رئیس المسلمین تو تھے، امیر المومنین یا خلفآئے راشدین میں اِن کا شمار نہ تھا۔۔؟؟۔اور افضال یاد

دِلاتا ہے کہ خلافتِ راشدہ اور امامتِ موعودہ، صرف اور صرف سیدہ فاطمہؑ کے دو فرزند، حسنین کریمین اور انکی اولاد کیطرف منتقل ہوگئی۔ اور اِن پاکیزہ اطوار نفوس میں سے کوئی ظالم نہیں تھا اور نہ ہوگا۔ جو ظالم ہوگا وہ نہ امام ہوگا اور نہ ''سید''۔

''سچ اِس لئے کڑوا ہوتا ہے کہ وہ سچ ہوتا ہے''۔ اگر کچھ کہتا ہوں تو اگلا حظ بھی جاتا ہے۔ اور خاموش رہتا ہوں تو کلیجہ مُنہ کو آتا ہے۔ یہ تین فقروں کی تمہید اُس بے حسّی کی ہے، جو آج کل آلِ حسنین میں پائی جاتی ہے۔ اور شیخو شریف میں تو یہ وبا اسقدر عام ہے کہ احقر راقم بھی نہیں بچ سکا۔ اور سب سے زیادہ متاثر اور پراگندہ حال ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں پُر عجز التجا ہے کہ اُس نے متقیوں سے وَمَا عِنْدَاللہ خَیر اللاَبْرَار کا جو وعدہ فرمایا ہے، اُس میں سے اِس گنہگار روسیاہ کو بقدر عفو و کرم حصہ عطا فرمائے۔ ''رَبّنا فَاغْفِر لَنَا ذُنُوْبنَا وَکَفِّرعَنّا سَیاٰتِنَا وَتوفّنا مَعَ الابرار''۔

احقر بد خصال

افضال

۸ ربیع الاوّل ۱۴۲۱ھ جمعرات

۱۲۹پریل ۲۰۰۰ء

Marfat.com

خلاصہ حیات الامیر

نام ونسب:

حضرت سیّدنا شہہ اعلیٰ وبالا کا اصل نام ''میر سیّد سید محمد'' تھا۔ دادا نے اپنے والد ماجد کی نسبت سے ''محمد غوث'' کہہ کر پکارا۔ ''بالا پیر سائیں'' کے اصل نام کا لاحقہ ''بالا'' آپکے اسم شریف کا سابقہ بھی ہے۔ اگرچہ ہندو عقیدت مند مرد وعورت کے لئے آپ چھوٹے اور بالے پیر تھے مگر فارسی دان مسلمانوں کیلئے تو آپ بڑے پیر صاحب غوث اعظمؒ کے خاندان کے بڑے شان والے فرد تھے اور پھر دادا عبدالقادر ثانی کا پوتا اور پروردہ ! اس لحاظ سے ''بالا'' کے معنی اور مقامات میرے تو فہم وادراک سے بھی بالا ہیں۔ آپ سیّد زین العابدین (شہید ناگور) بن مخدوم عبدالقادر ثانی اُچوی کے اکلوتے صاحبزادے تھے جو اپنے والد ماجد کی شہادت (جو مرہٹوں سے حرمتِ اسلام کے معرکہ ناگور میں ہوئی) کے چھ ماہ بعد یتیم پیدا ہوئے۔

تاریخ ولادت:

حضرت سیّدنا زین العابدین کی شادی اپنی ماموں زاد (اُچ بخاریاں) میں ہوئی۔ ۱۱ رمضان ۹۱۷ھ کو سیدنا محمد غوث بالا پیر پیدا ہوئے جبکہ سیّد زین العابدین کی شہادت ربیع الثانی (۹۱۷ھ) میں ہوئی۔

سلسلہ نسب:

آپ سیدنا کا سلسلہ نسب (۲۴) مبارک واسطوں سے جناب غوث اعظمؒ سے ہوتا ہوا امام کائنات علیؓ المرتضے تک منتہی ہوتا ہے۔اور والدہ کی طرف سے بھی بواسطہ سادات بخاری اچ، جناب علی المرتضی تک جاتا ہے۔سلام اللہ علیہم

بچپن ولڑکپن:

آپ کی ولادت کے چند سال بعد والدہ بھی رحلت فرما گئیں تو آپکی پرورش کی تمام تر ذمہ داری مخدوم عبدالقادر ثانی (دادا) نے اُٹھائی۔نو سال کی عمر میں آپکو اُچ میں زہر دیا گیا تو دادا نے مولینا معزالدین ملتانی کے مدرسہ میں ملتان بھیج دیا۔وہاں بھی اسی قسم کا کوئی حادثہ پیش آیا تو آپ کے دادا عبدالقادر ثانی نے آپکو واپس اُچ بلوالیا۔

وہاں چند فارسی کتب مولینا عبدالرحمٰن جامی سے پڑھیں۔گیارہ (۱۱) سال کی عمر میں حضرت مخدوم ثانی نے آپکو میر چاکر رند بلوچ سردار جو کہ آپکا مرید تھا اسکے ہمراہ ستگھرہ بھیج دیا۔وہیں سے ایک بار آپکے چھوٹے دادا سیّد عبداللہ ربانی بن سیّد محمد غوث اوّل اُچوی جولاہور مقیم تھے انہوں نے طلب فرمایا۔تو انکی خدمت میں حاضر ہوگئے۔باقی ماندہ علوم وعرفان کے لئے انہی کے سامنے زانوے تلمذ ہوئے۔

سیروسیاحت:

۲۰۔۱۸ سال کی عمر میں سیروسیاحت کیلئے نکلے تو دہلی ،اجمیر،ناگور،راجستھان واپسی پر امرتسر،آزاد کشمیر اور افغانستان کی حدود تک سیاحت فرمائی۔بالاکوٹ اور مانسہرہ اور ایبٹ آباد میں بھی مجاہدات کا وقت گذارا۔وہاں آج بھی چلہ گاہیں۔زندہ پیر،حیات

االأ میر، بالا پیر، پیر قندھاری، سبز پوش کے نام سے موجود ہیں۔

قیام لاہور:

قیام لاہور کے دوران ایک دفعہ مخدوم ثانی نواب لنگر خان لاشاری کے ہمراہ تشریف لائے۔لنگر خان کو آنجناب کی بیعت میں دیا اور ساتھ ہی اپنے سسرالی خاندان میں سیّد علم الدین ثانی کی صاحبزادی سے آپکا نکاح فرمایا۔اور پھر واپس اُچ تشریف لے گئے۔

مخدوم ثانی کی رحلت:

مخدوم ثانی کی رحلت کے بعد پھر آپ اُچ تشریف لے گئے وہاں اپنے عم محترم سیّد عبدالرزاق اور برادرِ عم حامد جہاں بخش بن سیّدنا عبدالرزاق بن مخدوم ثانی سے امور وراثت و سجادگی و دستار بندی کی بنا پر ناراض ہو کر دوبارہ لاہور تشریف لائے۔پہلی زوجہ سے اولاد نہ ہوئی تو انہی (سیدۃ) نے دوبارہ آپکے دودھیال خاندان میں سیّدا سماعیل بن سیّد عبداللہ ربانی کی دختر سے رشتہ طے کیا۔انکے بطن سے چار صاحبزادے ہوء۔عبدالقادر الثالث، عبدالرحمٰن، الٰہی بخش اور اللہ بخش اور کوئی صاحبزادی نہ تھی۔

قیام ستگھرہ:

دادا مخدوم ثانی کی وصیت کے مطابق ستگھرہ ہی میں تمام نشانیاں پالیں تو وہیں مستقل قیام فرما کر مجاہدات وعبادات وریاضات میں مشغول ہو گئے۔

رحلت وصال:

وہیں ستگھرہ کے نواحی ''پیلو'' کے جنگل میں رحلت ہوئی اور اسی جگہ ''بہ سنت نبویہ ﷺ'' تدفین ہوئی۔

Marfat.com

مزار پرانوار وعرس شریف:

اسی گہرے گھنے جنگل میں مزار بنا اور عرس مبارک کی محافل ہوتیں، اُن دنوں بھی..... نقل وحمل کے وسائل کی کمی اور رستوں کی کمیابی کے باوجود مخلوق کا اژدھام ہوتا۔ اور جنگل میں منگل کا سا ماں ہو جاتا۔ آج بھی اگرچہ یہ علاقہ Back Sided ہے مگر پھر بھی جم غفیر اور مخلوقِ خدا کا ہجوم زیارت درگاہ کے لئے بے کراں اور بے تاباں نظر آتا ہے۔ جو کہ آپ کی ادنی سی کرامات میں سے ہے۔

مزار شریف کے انوار:

ایک پورے علاقہ نے فیض حاصل کیا اسی نسبت سے آپکو ''راوی کا پیر'' کہا جانے لگا۔ خلفاء صحبت سے زیادہ خلفاء اویسیہ کی تعداد ہے جو مزار اقدس سے فیض یاب ہوئی۔ اِدھر پنجاب میں تقریباً سلاسل قادریہ آپ ہی سے متّصل ہیں۔

خلفاء وسلاسل:

آپکے خلفاء وسلاسل کی تعداد ان گنت ہے البتہ جنہیں بہت شہرت دوام حاصل ہوئی وہ آپکی اولاد میں سے ہی دو سلاسل ہیں جو بالترتیب باپ بیٹے سے پھیلے۔ سیّد امام حیدر بخش سے مشتق سلسلہ جناب سیّد غلام محمد غوث اور اسی سلسلہ سے سلطان ہاتھی وان میرک شریف (مزار جھنگ شہر میں ہے۔)، سیّد قطب علی شاہ بخاری سُندھیلیا نوالی، فتح پور شریف، دہڑ شریف، قادر بخش، منگانی شریف، کھریپڑ شریف اور کئی دوسرے بھی ہیں۔

دوسرا سلسلہ سیّد امام حیدر بخش کے اکلوتے فرزند سیّد حسن بخش المعروف داتا حسنین سائیں (جداعلی و بانی شیخوشریف) سے پھیلا اس سلسلہ کے عقیدتمند زیادہ تر

Marfat.com

سادات گیلانی اور کچھ بخاری سادات بھی ہیں۔ سادات گیلانی میں سخی سیدنؒ سائیں (دیپال پوری) اور ستگھرہ کے دیگر سادات عظام کی بیعت بھی شیخوشریف میں ہے۔ اور بستی گیلانیہ حضرت سخی غلام قادر (پاکپتن) کے سجادہ نشین سیّد سید مبارکؒ اور بعد میں حضرت چن پیرؒ سرکار کی بیعت وارادت کا مرجع بھی یہی سلسلہ (داتا حسنین سائیں) ہے۔ اور بخاری سادات میں خصوصاً پیر مراد علی شاہ، سید محبوب علیشاہ المعروف جھلی والے، سیّد عبدالستار بخاری الجعفری منڈی واربٹن اور پیر قطب علی شاہ جھوک سیفل کے علاوہ کئی بخاری وشیرازی سادات بھی اسی سلسلہ مبارکہ کے فیض یافتہ ہیں۔ ادھر پنجاب میں بلوچ، کھرل، وٹو، کاٹھیے اسی سلسلہ میں بیعت ہیں۔

اسکے علاوہ کئی دیگر سلاسل (چشتی، فریدی، نقشبندی، سہروردی) حضرات نے بھی کسبِ فیض کیا۔ مزید یہ کہ آج تک آپ کا سلسلہ بیعت وسلسلہ روحی و اویسی (مزار مبارک) مخزنِ انوار و فیوض و برکات ہے۔ اور تا قیامت رہے گا۔ (انشاء اللہ) چونکہ اسی سلسلہ کے مرجع وماوی کا فرمان ہے۔

افلت شموس الأولین و شمسنا

ابدا علی افق العلی لا تغربُ

''پہلوں کے سورج چمک چمک کر غروب ہو گئے جبکہ ہمارا سورج ہمیشہ افق اعلیٰ پر چمکتا رہیگا''۔

اسی لئے تو مجدد دین وملت شاہ احمد رضا خانؒ نے فرمایا۔

تو حسنی حسینی کیوں نہ محی الدین ہو　　اے خضر مجمع البحرین ہے چشمہ تیرا

☆☆☆

Marfat.com

تمہید

اللہ اور اسکے رسول ﷺ کا نام ہر دم حرزِ جان ہے۔ اس کے بعد اہل بیت اطہار اور اصحابہ کبار کا ذکر ہر دم وردِ زبان ہے۔ پھر اِن سب اذکار مقدسہ کے بعد، ''غوثِ اعظم محبوبِ سبحانی الجیلانیؒ'' کا ذکر خیر اور آپ کی ''اُوچ'' والی اولاد میں سے حضرت میر سَید محمد غوث بالا پیر گیلانی صدگھروی قدس اللہ کا ذکر، کرنا.....، کرتے رہنا.....، اور کرتے کرتے مَر جانا۔ یہ سب تو میرا محبوب مشغلہ ہے۔ اور یہی میری زندگی کی آخری خواہش ہے۔

حضرت جناب ''میر سَید محمد غوث بالا پیر کے ساتھ ساتھ، میر چاکر خان رند بلوچ کا ذکر نہ کرنا، میرے لئے مجرمانہ غفلت سے کم نہیں۔ میر چاکر خان کا ذکر کرنا اِس لئے ضروری ہے کہ یہ بلوچ سردار آپ حضرت بالا پیر کا جان نثار اور آپکے دادا سیّد عبدالقادر ثانی گیلانی اچوی کا فرماں بردار اور بااعتماد مرید تھا۔ اور آپ میر چاکر خان کی رفاقتِ پُر حفاظت میں ہی اُچ سے ستگھرہ وارد ہوئے۔ اور ''ست گھرہ'' کو، ''صدگھرہ'' بنایا۔ اُچ کے ساداتِ گیلانی کے ذکر میں ایک اور بلوچ جرنیل نواب لنگر خان لشاری کا نام آتا ہے۔ یہ بھی جناب بالا پیر گیلانی کا مرید اور جانثار تھا۔

☆☆☆

Marfat.com

ذکر آباء واَجداد وابتدائی حالات وواقعات

یہ اُچ ہے۔ پاک و ہند کا قدیم ترین قصبہ..... ! تقریباً ہندوؤں کی آبادی پر مشتمل ہے۔ جب حضرت سید صفی الدین گازونی (ولادت ۳۵۱ ھ، وفات ۳۹۸ ھ) [1] یہاں تشریف فرما ہوئے تو شمع اسلام کی کرنیں اس علاقہ کو منوّر کرنے لگیں۔ آہستہ آہستہ اسلامی رنگ غالب آتا گیا۔ اُچ .....، باب الاسلام سندھ اور لاہور کے بعد برّصغیر کے تیسرے بڑے اسلامی مرکز کے طور پر پہچانا جانے لگا۔ (تذکرہ صوفیائے پنجاب)

بنی ہاشم اور بنی امیہ کی خاندانی کشمکش ۔۔۔ اور سانحۂ کربلا کے بعد اس چپقلش کا تیسرا بڑا سبب حسنی سادات (محمد نفس زکیہ وابراہیم نفس رضیہ) کا عباسی خلفاء کے خلاف خروج تھا۔ اگرچہ اس سے پہلے سادات دشمنی اور خصوصاً حسنی سادات سے دشمنی کی بنیاد مدینہ طیبہ میں رکھی گئی۔ مثلاً سیّدنا حسن المثنٰی وسیّدۃ فاطمۃ صغریٰ جب اپنے آبائی مکان میں جلوہ آراء تھے تو ولید بن عبدالملک کی طرف سے مکان خالی کرنے کا حکم موصول ہوا۔ جب آپ حضرات رضوان اللہ علیہم نے انکار کیا تو مکان کو آپ پر گرا دینے کے ساتھ ساتھ مدینہ طیبہ سے در بدر کرنے کا مژدہ دل فگار بھی سنایا گیا۔ (جذب القلوب از محقق دہلویؒ)

بہر حال خروج عباسیہ کے بعد تو سادات حسنی کا عرب سلطنت میں رہنا ایک جرم سے کم نہ تھا۔ اسی سبب سے یہ حضرات ترک سکونت پہ مجبور ہو گئے اور ''سیّد'' یا ''شریف

Marfat.com

النسب'' کی بجائے ''غریب النسب'' کالقب اختیار کیا۔

حضرت سیّدنا عبداللہ المحض کے تین صاحبزادے تھے۔محمد نفس زکیہ، ابراہیم نفس رضیہ اور تیسرے موسیٰ الجون پہلے دو حضرات کی شہادت کے بعد سیّد موسیٰ الجون روپوش ہوکر گوشہ نشین ہوگئے' اگرچہ مدینہ کے قرب وجوار اور یمن میں رہے۔کچھ پشتوں کے بعد سیّد ابوالصالح موسیٰ جنگی دوست کے والد ماجد سید عبداللہ الثالث کا ورود (جیلان) بغداد میں ہوا۔ (کتب ہائے تاریخ وتصوف)

☆☆☆

حضور سیدنا غوث الاعظم کی بلند وبالا شخصیت کے سامنے خلفاء اور شاہان وقت کی سٹی گم ہوگئی تب سادات حسنی کو عروج وسکون نصیب ہوا۔آپ ہی کی اولاد میں سب سے پہلے ابو المسعود احمد، المعروف احمد گنج بخش (ابوالعباس بھی آپ کو کہا جاتا ہے) انہوں نے ہلاکو خان کے حملہ کے سبب سے مع اپنے چھوٹے بھائی ابوسلیمان کے ۶۵۶ھ میں ہجرت فرمائی اور روم تشریف فرما ہوئے۔پھر جب امن وامان قائم ہوا تو حلب (شام) میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔(خزینۃ الاصفیاء) اسکے بعد سید مسعود غازی اور سید ضیاء الدین علی کا وقت بھی یہیں حلب میں گذرا۔

سید شرف الدین حسن شاہ میر میراں حلب کی بہت مشہور شخصیت تھے، آپکا دسترخوان ''أی الإسلام خیر ؟ قال ﷺ تطعم الطعام وتقری السلام علی من عرفت و من لم تعرف '' کے حکم کے مصداق ہر وقت وسیع رہتا۔نہایت بندہ نواز اور غریب پرور تھے۔مزار اقدس آج بھی حلب کے پر رونق بازار میں مرجع خلائق ہے۔ (تاریخ حلب)

مخدوم اوّل۔ سید محمد غوث حلبی ثم اچویؒ

یہاں آپکی چار پشتیں گذریں تو سید محمد غوث (شیخ اُچوی) نے اپنے والد ماجد سید شمس الدین محمد سے اجازت چاہی کہ اقلیم ہند میں جانا چاہتا ہوں تو انہوں نے ارشاد فرمایا۔ ''چراغ سحری ہوں، کچھ توقف کرو، میری وفات کے بعد تمہیں اختیار ہوگا۔ اس سے پہلے سید شمس الدین کا بھی سیاحت ہند کرنا ثابت ہے۔

(حیات الامیر جلد ا ص ۵۴)۔

حضرت کی وفات کے بعد سیدنا محمد غوث حلبی اُچویؒ، مع خدام اور پورے خاندان، ساز وسامان کے اُچ تشریف فرما ہوئے اور مستقل سکونت اختیار کی۔ اگرچہ اس سے پہلے آپ ہندوستان کے کئی شہروں کی سیاحت تنہا فرما چکے تھے۔ اُچ میں آپکا ورود مسعود ۸۸۷ھ درج ہے۔ (تاریخ اُچ)

آپ شیخ اجل اور عالم بے بدل تھے حضرت جامیؒ جیسے حضرات نے آپکے علم وادب کا شہرہ سنا تو گرویدہ ہو گئے حضرت جامیؒ اپنے اشعار کی اصلاح حضرت سیدنا محمد غوث اُچوی سے کرواتے تھے۔ آپکی شاعری کا مجموعہ دیوان قادری کے نام سے مشہور ہے۔

(اخبار الاخیار)

حضرت کی پہلی شادی

حضرت مخدومؒ جب اپنے والد ماجد کی اجازت سے سیاحت کو نکلے تو لاہور آنا ہوا تب پہلی شادی، سید ابوالفتح حسینی جنکا سلسلہ نسب سید صفی الدین گازرونی بانی اُچ تک پہنچتا ہے، ان کی دختر نیک اختر سے ہوئی تھی جو اُن دنوں محلّہ کوفت گراں میں مقیم تھے جن کے بطن سے دو صاحبزادے عبدالقادر ثانی اور محمد نورانی تولد ہوئے۔ حضرت مخدوم ثانی لاہور ہی میں

Marfat.com

پیدا ہوئے۔ ورود اُچ کے وقت آپکی عمر مبارک ۲۵ سال تھی۔ سید صفی الدین، سید ابو اسحٰق (جنکا مزار لاہور میں ہے) کے بھانجے اور خلیفہ تھے آپکے حکم سے ہی انہوں نے اُچ میں اقامت اختیار فرمائی۔ (حیات الامیر ج ا ص ۱۰۹)

دوسری شادی

جب دوبارہ اُچ تشریف لائے تو حاکم ملتان رائے سہرہ قطب شاہ لنگاہ کو حضور غوث اعظمؒ نے خواب میں فرمایا کہ تمہاری سعادت اس میں ہے کہ اپنی بیٹی کی شادی میرے فرزند محمد غوث سے کردو۔ حکم کی تعمیل ہوئی۔ اس شہزادی کے بطن سے دو صاحبزادے تولد ہوئے۔ عبداللہ ربانی، مبارک حقانی۔ (اس شادی اور دوسری شادی کی بحث حیات الامیر جلد اوّل میں دیکھئے)

مخدوم ثانی سید عبدالقادرؒ

حضرت سیدنا اچوی کے چاروں صاحبزادے نورٌ علی نور تھے مگر سید عبدالقادر ثانی کا اپنا ایک منفرد مقام تھا۔ روایت ہے کہ حضرت ثانی نے شاہانہ ماحول میں پرورش پانے کی وجہ سے بڑا شاہانہ مزاج پایا تھا۔ اوائل عمری میں سیر و شکار کے بھی بڑے دل دادہ تھے۔ ایک دفعہ سیدنا بندگیؒ نے ڈانٹا۔ تو رات خواب میں غوث الاغواث (غوث الاعظم) کی زیارت ہوئی آپ فرما رہے تھے کہ محمد غوث! تم اپنے دوسرے بچوں کی تربیت کرو۔ عبدالقادر ہمارا بیٹا ہے اور اسکی نگہداشت بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔ (اخبار الاخیار)

اس خواب کے بعد اہل اُچ نے دیکھا کہ حضرت عبدالقادر ثانی کی طبیعت بدلتی گئی سب سامان صید و شکار ٹھکانے لگایا اور سر منڈا کر سلوک و معرفت کی منازل طے کرتے ہوئے مخلوق خدا میں عبدالقادر ثانی کے نام سے مشہور ہوئے۔ صاحب کرامت بزرگ ہوئے۔ شیخ

Marfat.com

اجل تھے، بادشاہِ وقت سلطان حسین شاہ بن قطب شاہ لنگاہ (متوفی ۲۶ صفر ہجری ۹۰۴ یا ۹۰۸) نے آپکو "شیخ الاسلام" کا لقب دیا اور آپ کی علمی دسترس سے نہایت متاثر تھا۔ مگر اس وقت دربار میں بخاری سادات کا طوطی بول رہا تھا انکے اکسانے پر بادشاہ نے تمام فرامین اور جاگیر کے وثیقے واپس لینے اور کسی دوسرے بھائی کو سجادہ نشین بنانے کی دھمکی دی۔ (تاریخ ملتان ج ۲) حضرت نے بادشاہ کا حکم پہنچنے سے پہلے ہی تمام چیزیں واپس کر دیں اور ساتھ ایک رباعی لکھ بھیجی۔ بادشاہ آپکو مرعوب کرنا چاہتا تھا مگر استغناء کا یہ عالم دیکھ کر خود خوفزدہ ہو گیا اور نادم ہو کر معافی چاہی۔ اسی دوران ہی آپکے بھائیوں نے بھی سجادگی قبول نہ کی اور بادشاہ کے عتاب سے بچنے کیلئے لاہور منتقل ہو گئے۔ شیخ عبدالحق محدثؒ دہلوی نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپکے تمام بھائی بادشاہ کے ملازم خاص تھے۔ مگر آپ نے یہ گوارا نہیں کیا اگرچہ آپ پر وہ دور بہت کٹھن تھا۔ مگر پائے استقلال میں ذرہ برابر بھی لغزش نہ آئی۔ (حضرت سیدنا ثانی ذی وقار کے مزید حالات کیلئے "حیات الامیر" جلد اوّل ص ۳۵ پر رجوع فرمائیں)

مخدوم ثانی کی ازواج واولاد:

سیدنا عبدالقادر ثانی کی شادی سادات اُچ بخاری میں ہوئی۔ سیدۃ کا نسب نامہ اس طرح ہے۔ سیدہ آمنہ بنت سید علم الدین محمد شاہ بخاری بن سید ناصر الدین بن سید جلال الدین مخدوم جہانیاں بن سید احمد کبیر بن سید شیر شاہ جلال قطب کمال سرخوش بخاری سہروردی (حضرت بہاؤالحق ذکریا ملتانی کے مرید تھے)۔ (شجرہ بخاریہ)

جناب شرافت نوشاہی نے شریف التواریخ میں تین حرم (بیویاں) اور سات صاحبزادے گنوائے ہیں، جو کہ تسامح ہے۔ بفرض محال اگر تین ازواج مان بھی لیں تب بھی سات بیٹے نہ کسی روایت میں ہیں اور نہ ہی انکا عملی اور ظاہری ثبوت مل سکا ہے۔ چونکہ اچ تو

Marfat.com

آج بھی اپنی پوری آب وتاب سے تاریخ گذشتہ کا شاہد ہے۔

سیدنا زین العابدینؒ

حضرت والا مخدوم ثانی کے بڑے صاحبزادے سید زین العابدین تھے خوب سیرت ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالی نے خوبصورتی اور ظاہری خوبیوں اور برتریوں سے بھی نوازا تھا۔نوجوان، بہادر اور شجاع تھے۔جو مرہٹوں کے ساتھ اسلامی فوج کی ایک جھڑپ میں ناگور میں شہید ہو گئے۔ناگور جنوبی ہند کا ایک مشہور شہر ہے۔آپکی تاریخ شہادت ربیع الثانی ۹۱۷ھ ہے۔ (علامہ محمد دین عباسی سابق خطیب اُچ گیلانیہ)

سید ضیاء الدین گیلانی دیپالپوری روایت کرتے ہیں کہ میں ناگور زیارت قبور کیلئے حاضر ہوا۔وہ تاریخی قبرستان بھی دیکھا اور ساتھ ہی سیدنا زین العابدین کی مزار پر انوار کی زیارت بھی کی اس پر پورے نام ونسب کے ساتھ لوح بھی کندہ تھی۔

مخدوم ثانی کی پریشانی

مخدوم سید عبدالقادر ثانی کو جواں بیٹے کی ناگہانی شہادت پر دکھ تو تھا ہی مگر جو غم آپ کو اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا وہ جواں سال حاملہ بہو، جو تین ماہ کی آس سے تھیں، انکا تھا۔کہ خیر سے یہ مرحلہ انجام پائے، سیدہ کی اپنے رفیق حیاتِ کی مفارقت سے صحت دن بدن بگڑتی چلی جا رہی تھی۔جو کسی طرح بھی سنبھلتی نظر نہ آتی تھی۔

ولادتِ باسعادت

اب وقت چلا آیا تھا۔مخدوم ثانی کی دعاؤں اور آہ وزاریوں کی قبولیت کا کہ ایک دن پورا اُچ اس مژدہ جانفزا کو سُن رہا تھا۔وہ اُچ کا ماہ تاباں جو ولائت کے افق پر چاند بن کر

چمکنے والا تھا۔اس عالم میں جلوہ گر ہو چکا ہے۔والدہ کا نور نظر اور دادا کا منظور نظر جو اپنے نانا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریقہ پر یتیم پیدا ہوا تھا..... اُس کی آمد پر اُچ میں یہ دن عید اور رات شب برات منائی گئی۔والدہ کی گرتی صحت سنبھلنے لگی دادا کی جھکی کمر کو سہارا مل گیا۔عقید تمندوں اور مریدین کے ڈوبتے دلوں کو کنارہ مل گیا۔جو سید زین العابدین کی صورت میں نعمت چھین گئی تھی اس کا نعم البدل (الم یجد ك یتیماً فاوٰی) کی سنت کے تحت عطا کر دیا گیا۔آپ اپنے والد کی شہادت کے چھ ماہ بعد تولد ہوئے۔

آپ کی تاریخ پیدائش گیارہ رمضان المبارک ۹۱۷ ھ بمطابق ۱۵۱۰ء جب تخت دہلی پہ سکندر بن بہلول لودھی کی حکومت تھی۔اور تخت ملتان پر محمود شاہ لنگاہ (م ۹۳۱ھ مدت حکومت ۲۷ سال) کا قبضہ تھا۔

اب دادا حضرت مخدوم ثانی کا تو معمول ہی یہی ٹھہرا کہ اپنے ضروری اوراد و وظائف کے بعد بقیہ وقت (واما بنعمة ربك فحدث) کے تحت اپنے پوتے کے ساتھ گذارتے۔جلوت وخلوت میں یتیم پوتا جو عکس جمال نبویہ ﷺ مزین اطوار غوثیہؒ ہے، دادا کے ساتھ ہے۔تمام عقید تمند بھی ہمیشہ محبت وعقیدت کے جذبات سے دیکھتے ہیں۔

ہندی زبان میں ''بالا'' چھوٹے کو کہتے ہیں۔اسی محبت سے لوگوں نے ''بالا پیر'' یعنی چھوٹا پیر کہنا شروع کر دیا۔گویا سب سے پہلے آپ یہ لقب اُچ سے ہی لے کر چلے تھے۔بعد میں آپ کی بلند و بالا شخصیت کے لحاظ سے یہ لقب مبارک آپکی ذات کا حصہ بن گیا۔بالا کوٹ بھی آپ ہی کی نسبت مشہور ہے۔

اردو میں ''بالا'' بلندی یا برتری کے معنوں میں آتا ہے۔جبکہ ہندی، پنجابی میں چھوٹے کے معنوں میں۔پنجابی میں عورتیں دولہا کے ساتھ بیٹھے چھوٹے بچے کو ''شہ بالا'' کہتی

ہیں یعنی چھوٹا سہرے والا۔

آپکے دور کی قدامت سے ظاہر ہے کہ سب سے پہلے بالا پیر کا لقب آپکی ذات گرامی کا حصہ بنا۔اب ہر خاص وعام اگر بالا پیر کہلوانا شروع کر دے تو مجھے..... یہ بے ادبی اور گستاخی معلوم ہوتی ہے۔ چونکہ جونہی بالا پیر کا لفظ کان پڑے تو فوراً خیال آنجناب کی طرف جاتا ہے.....اور کیوں نہ ہو.....آپ ہی تو ہیں پروردۂ جناب مخدوم ثانی.....اور انکے بعد مسند قادریہ کے اصل وارث و مالک.....شیخ الطریقت قادریہ ..... !

[اگر اس روش سے باز رہا جائے تو بہت بہتر ہے تا کہ بزرگان اسلاف کی قدر اور انکے مقدس القابات کی عظمت برقرار رہے۔مجھ مولف (افضال) کے دیکھتے دیکھتے کئی بالا پیر بن گئے ہیں۔اللہ جانے آئیندہ کیا ہوگا۔ یہ ایک جعلی نام ونمود کا ناجائز حربہ ہے۔اللہ پناہ دے ..... آمین۔]

مفصل سلسلہ نسب

سیّد میر محمد غوث بالا پیر بن سیّد زین العابدین بن مخدوم عبدالقادر ثانی بن سیّد محمد غوث اُچوی بن سیّد شمس الدین محمد حلبی بن سیّد حسن شاہ میر میراں حلبی بن سیّد ابوالحسن علی بن سیّد ابوعلی مسعود بن سیّد احمد گنج بخش گیلانی بن سیّد عبدالسلام صفی الدین صوفی بن سیّد سیف الدین عبدالوہاب بن سیّد السادات وشیخ الارض والسمٰوات ومیراں محی الدین سیّد عبدالقادر الجیلانی الحسنی والحسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن سید ابوالصالح موسیٰ جنگی دوست بن سید عبداللہ الثالث بن سید یحیی زاہد بن سید محمد الرومیؒ (المورث) بن سید داؤد بن سید موسیٰ الثانی بن سید عبداللہ الثانی بن سید موسیٰ الجون بن سید عبداللہ المحض بن سید حسن المثنیٰ بن سیدنا امام حسنؓ المجتبیٰ بن سیدنا الإمام علی المرتضی علیہ السلام۔

Marfat.com

سلسلہ نسب مادری

روایت ہے کہ سید زین العابدین کی شادی اپنی ماموں زاد سے ہوئی تھی۔ سیدہ کا نام اور انکے والد کا نام پایہ تحقیق کو نہیں پہنچ سکے۔ لیکن..... اگر یہ روایت درست ہے تو سید زین العابدین کے نانا کا نام مبارک تو تحقیق شدہ اور درست ہے کہ انکا نام سید علم الدین تھا تو اس تناظر میں سلسلہ نسب یوں ہوگا :۔ سید علم الدین بن سید ناصر الدین بن سید جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت بن سید احمد کبیر بن سید شیر شاہ جلال قطب کمال سرخوش بن سید علی المؤید بن سید جعفر الثالث بن سید محمد بن سید محمود بن سید احمد بن سید عبداللہ بن سید علی اصغر بن سید جعفر الثانی بن امام علی نقی بن امام محمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسی کاظم بن امام جعفر الصادق بن امام محمد باقر بن امام علی اوسط (زین العابدین) بن سید الشہداء امام حسین بن امام کائنات علی کرم اللہ وجہہ الکریم۔ سلام اللہ علیہم اجمعین

سید عبدالرزاق بن مخدوم ثانی

سیدنا عبدالرزاق مخدوم ثانی کے بیٹے تھے۔ نہایت صالح اور بلند مرتبت بزرگ، سادات گیلانی اُچ اور ملتان آپ ہی کی اولاد ہیں۔ والد ماجد کی وفات کے بعد مسند وسجادگی اُچ پر آپ ہی براجمان رہے۔ سیدنا ''میر محمد غوث بالا پیر'' کے سگے چچا تھے۔

نواب صدیق علی خان (پولیٹیکل سیکرٹری نوابزادہ لیاقت علی خان) اپنی کتاب ''بے تیغ سپاہی'' میں لکھتے ہیں کہ حضرت قائداعظم محمد علی جناح نے ایک استفسار کے جواب میں فرمایا۔ کہ ہم ''خوجہ'' فیملی نہیں۔ میں ایک پنجابی مسلم راجپوت ہوں، ہمیں لوہانہ راجپوت کہا جاتا ہے۔ ہمارا اصل مسکن ضلع منٹگمری (موجودہ ساہیوال) ہے۔ ہم لوہانہ راجپوتوں کی شاخ (گوت) سے تعلق رکھتے ہیں ہمارے اجداد حضرت سید عبدالرزاق بن مخدوم ثانی کے

دست اقدس پر بیعت کر کے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ میرے ایک جدّ نے ''خوجہ'' فیملی کی ایک لڑکی سے شادی کر لی اور پھر اسی میں ضم ہو کر رہ گئے۔

قائداعظم کے اجداد نے پھر ساہیوال سے کاٹھیہ وارڈ اور سندھ کا رخ کیا تب وہ مسلمان قوم تھے۔ اور آپ کے تمام اجداد کی بیعت کا سلسلہ اُچ شریف میں ہے۔[1]

(سنڈے میگزین نوائے وقت ۱۰ ستمبر ۲۰۰۶ء ۱۴ شعبان ۱۴۲۷ھ) تحقیق رانا محمد سرور خان)

مندرجہ بالا بحث سے یہ ثابت ہوا کہ اُچ کو بھی برّصغیر میں ایک قدیم پیر خانہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے جنہوں نے غیر مسلموں کو اسلام سے روشناس کرانے کے بعد اسلامی تہذیب وتمدن کا دلدادہ بنایا۔ اور تمام راجپوت مارخور قومیں اس آستانہ پر فیض کیلئے جھک گئیں۔ اور اپنے جرائم ترک کرتے ہوئے اسلام کا دم بھرنے لگیں۔ قائدِ اعظم کے اجداد کا جناب سید عبدالرزاق گیلانی اُچوی کے دست حق پرست پر مسلمان ہو جانا یہ ثابت کرتا ہے کہ پاکستان کی بنیاد کا پہلا وزنی پتھر نصب ہو گیا۔

اُچ شریف

اُچ! روہی کی پر وحشت وادی کا ایک کیف آور مقام.....، صاحب دل اور اہل درد صاحبوں کی آماج گاہ .....اُچ۔ ذوق و شوق کو مہمیز کرنے والی فضاؤں اور ہواؤں کا مرکز.....اُچ۔ اللہ والوں کا پسندیدہ مسکن.....اُچ۔ عاشقانِ الٰہی کے قلب روح کو گرمانے ،درد وسوز عاشقانِ مجازی کی سرمستی اور دیوانگی کو بڑھانے والا دیس.....عرصہ قدیم سے لے کر آج تک انہیں کیفیات کا حامل ہے۔

اُچ پنجاب کے تمام شہروں میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ ازمنۂ قدیم سے ہی صوفیا کا مرکزِ نگاہ ہے۔

Marfat.com

اُچ کا ماضی کھنگالنے کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی اُچ کی وجہ تسمیہ، پرانے نام اور حدود و محلِ وقوع پر بحث کرنے سے کوئی سروکار ہے۔اسکی سیاسی ،ثقافتی،علمی ادبی،تجارتی اورفوجی حیثیت پر روشنی ڈالنے کی بھی کوئی حاجت نہیں ہے۔ہمارے لئے اُچ ایک مذہبی اور روحانی مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔اورعوام الناس کی زبان پر ماضی بعید سے لے کرآج تک یہ کلمات جاری ہیں۔کہ ؎

دیس نا گورنگینہ.....اُچ،ملتان،مدینہ.....

یعنی مدینہ اور ملتان اور بغداد کے بعد اُچ ہی وہ مقام ہے جہاں اہل اللہ کے انوار و تجلیات اب بھی پوری تابانی کے ساتھ موجود ہیں۔اور حضرت سید صفی الدین گازرونی کے قدوم میمنت لزوم کی برکت سے آج یہ ''اُچ شریف'' ہے

اُچ شریف کی قدامت اوراہمیت پر روشنی ڈالنے والی تعارفی کتب اورقدیم وجدید شائع شدہ مواداس قدر کثرت سے دستیاب ہے کہ اُن سب کا احاطہ کرنا ہمارے لئے ممکن اور مناسب نہیں۔خواہ مخواہ کی طوالت قائین کو''بور'' اور بیزار کرے گی۔میرے وجدان اور کتب ہائے معتبرہ کے بیان سے یہ گمان غالب ہے کہ اُچ کو شرافت بخشنے والے اوراسے شریف بنانے والے پہلے شریف النسب شیخ سید صفی الدین گازرونی (ولادت ۳۵۱ھ ۹۶۲ء گازرون) ہیں۔گازرون،شیراز کے گردنواح ایک گاؤں تھا۔تاریخی اسناد سے ثابت شدہ اورمشہور بات یہ ہے کہ پنجاب میں سب سے پہلے آنے والے صوفی اور دُرویش شیخ سید صفی الدین گازرونی ہیں۔سید صفی الدین،خواجہ ابواسحاق ابراہیم گازرونی کے بھانجے،مرید اور خلیفہ تھے۔سترہ سال کی عمر میں وہ گازرون سے اُچ تشریف لائے اور یہاں رشد وہدایت کا چراغ روشن کیا۔

Marfat.com

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے آپ کی اُچ میں تشریف آوری کا واقعہ بہت دلچسپ اور ایمان افروز انداز میں تحریر کیا ہے۔ آیئے آپ بھی سنیئے! اور حظ اٹھایئے۔ کہتے ہیں کہ ''شیخ ابواسحاق اصل نام ابراھیم گازرونی نے اپنے بھانجہ سید صفی الدین کو خلعت وخلافت سے آراستہ کر کے اونٹ پر سوار کرایا اور فرمایا، جدھر یہ اونٹ جائے تم اُسی سمت رخ کیے چلتے رہو، اور جہاں جا کر یہ اونٹ بیٹھ جائے، تم وہاں سکونت اختیار کر لینا''۔ چنانچہ وہ سرزمین جس کو اُچ کہتے ہیں، یہاں پہنچ کر اونٹ بیٹھ گیا۔ آپ نے اُسے اٹھانے کی بہت کوشش کی لیکن اونٹ نہ اٹھا۔ تو آپ نے اپنے شیخ اور ماموں کے حکم کے پیش نظر اِس مقام کو اپنا ٹھکانہ بنا لیا۔ اور انہی کھنڈرات کو شہر کی صورت آباد کیا۔ اور اس میں عمارتیں بنوائیں۔ (دیکھ لیجئے اِس واقعہ کو نبی ﷺ کے ورودِ مدینہ سے کتنی مناسبت ہے)۔ سید صفی الدین کی اولاد سے حضرت شیخ سید ابوالفتح تھے جو بعد میں لاہور آ گئے اور محلّہ کوفت گراں میں سکونت اختیار کر لی۔ یہی سید ابوالفتح دراصل سید عبدالقادر مخدوم ثانی کی والدہ کے دادا تھے۔

ہمارے لئے اُچ کی تصریح وتوضیح اسی قدر کافی ہے۔ ایک صاحبِ ایمان اور اولادِ غوث الثقلین کی محبت والفت میں غلطاں طالبِ شوق کیلئے اتنا کچھ جان لینا ہی بہت کچھ ہے آج اگرچہ اُچ شریف تین آبادیوں پر مشتمل ہے۔ اُچ موغلہ یا مغلیہ۔ اُچ بخاری اور اُچ گیلانی۔ لیکن تاریخی اسناد اور صاحبِ مطالعہ اشخاص کی رائے اور قیاس میں یہی آتا ہے کہ۔ قدیم اُچ جس شکل صورت کی آبادی بھی تھی برباد اور کھنڈرات کی صورت میں رہ گئی۔ آج کے اُچ کی آبادی اور شہرت، ساداتِ گیلانی اور انکے ننھیال ساداتِ گازرونی کی مرہونِ منت ہے۔ اور اُچ شریف کا نام قرطاسِ عالم پر رقم کرنے کا احسانِ عظیم بھی ساداتِ گیلانی اولاد سیدنا غوث الاعظمؓ جیلانی کا ہے۔

Marfat.com

بزرگانِ سلسلہ قادریہ کی یہ ایک زندہ اور جاری وساری کرامت ہے کہ آج بھی اُچ جانے اور دیکھنے والے زائرین پر ایک حالت طاری ہو جاتی ہے۔ دل غیر اللہ سے ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ جذب کے اسباب، شوق کے آثار اور محبت الٰہی کے انوار برسنے لگتے ہیں اور وجدو استغراق کا غلبہ مسحور کر دیتا ہے۔ بقول محدثِ ہند۔ ''کہتے ہیں، اُچ کے خطہ اور جنگل میں وہ کیفیت وحالت ہے۔ جو کسی دوسری جگہ نصیب نہیں ہوتی۔ یہی وہ سرزمین ہے جو وادیٔ فراق ودیوانگی کی راہ دکھاتی ہے۔ اب بحالتِ موجودہ اگرچہ قدیم آبادی کے کھنڈرات اور نشانات تک باقی نہیں رہے، البتہ بزرگوں کی قبریں موجود ہیں۔ اب اُچ، کہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ تاہم اب بھی اِس آبادی میں پہنچ کر وجدو کیفیت طاری ہو جاتی ہے جس کو زبان وقلم بیان نہیں کر سکتے۔ پہلے (جب اہلِ قبور و دیار زندہ اور حیات تھے) تو خوب کیفیتیں اور لذتیں آتیں ہوں گی''۔

اُچ کا تعارف محدثِ ہند کے انہی الفاظ و بیان پر ختم کرتا ہوں۔ جبکہ آج کا اُچ تحصیل احمد پور شرقیہ اور ضلع بہاولپور میں ہے۔

☆☆☆

میر چاکر خان رِند بلوچ (خانِ اعظم) کے حالات و وفات

میر چاکر خان رند میر شہک خان بلوچ کا جواں مرد بیٹا تھا۔ سبی (بلوچستان) اسکا پایہ تخت، یہ آہنی عزم کا بلوچ سردار جسکی میر گوہرام، ایک بلوچ قبیلہ لاشار کے امیر، گنداوہ کے حکمران سے کسی بات پر اَن بَن ہوئی تو نوبَت جنگ پر جا پہنچی۔ تیس سال تک جنگ جاری رہی بالآخر کچھ امن قائم ہونے پر میر چاکر خان نے شورکوٹ کے نواب جام ابراہیم کی دعوت پر پنجاب کا رُخ کیا۔ تو پہلے حضرت مخدوم ثانی اُچوی (جو اسکے پیر و مُرشد تھے) کی خدمت

Marfat.com

میں حاضری دی۔اورآپ سے اجازت نامہ طلب کیا۔اجازت پروہ یہیں اقامت گزین ہوکر بابرسلطان دہلی،لنگاہ حکمران ملتان اورشیرشاہ سوری کے درمیان (سنگھرہ تادیپالپور) سدراہ بن گیا۔

میر چاکرخان کے کم وبیش اٹھارہ بیٹے تھے۔کچھ تو (رند لاشار) جنگ میں کام آئے۔باقی جن کے نام تاریخ میں ملتے ہیں وہ یہ ہیں۔میر شہک،میر اللہ داد،میر داد،میر شاہو،میر نوح،میر باقر (باگڑ) اورمیر میرن،میر شہک یعنی (اسحاق) سب سے بڑا بیٹا تھا جو سابقہ جنگوں میں بھی تلواروتفنگ کے جوہر دکھا چکا تھا۔میر چاکرخان کو بہت پیارا تھا اس نے اسکا نام اپنے باپ یعنی اسکے دادا کے نام پر میر شہک رکھا تھا۔

خان اعظم کے چچازاد جنھوں نے سابقہ جنگوں میں میر چاکرخان کا ساتھ دیا تھا اب انہوں نے واپس بلوچستان جانے کا ارادہ کرلیا۔اور واپسی جاتے ہوئے ایک جگہ قیام کیا،اور خیمے ڈال دیے۔میر چاکرخان سے بغاوت کی اوراسکی فوج کے سالاروں کو واپس بلوچستان چلنے کی دعوت دی۔جب ان ارادوں کی خبر میر چاکر کو ہوئی تو وہ سخت برہم ہوا اور گرج کرکہا کوئی ہے جوانکو مار بھگائے۔ان حالات میں میر محمد خان چچازاد میر چاکر کافی قوت حاصل کرچکا تھا۔توکسی میں اسکے مقابلے کی ہمت نہ ہوئی۔مگر دودائی بہادر ڈٹ گئے۔انہوں نے میر محمد خان،ابرہیم خان،میر خان کوقتل کیا۔جبکہ میر دادخان اور میر کرم خان بھاگ نکلے۔

جب یہ خبر میر چاکر کو پہنچی تو وہ بہت آگ پا ہوا کہ میں نے اپنے بھائیوں کو مارنے کیلئے نہیں بلکہ ڈرانے کے لئے تمہیں بھیجا تھا۔سواس نے بدلہ میں دودائی مار ڈالے۔اسی کشمکش میں میر ہیتان بلوچ اور میر بجار جو میر چاکر اعظم کے دیرینہ ساتھی تھے مخالف بن گئے۔انکو لاکھ منانے کی کوشش کی گئی مگر وہ اسی ضد پر ڈٹے رہے۔

جب ہیتان کے حملوں نے شدت اختیار کی تو میر چاکر خان نے ایک سپہ سالار جو مزاریوں کا سردار تھا اسکو حملہ کیلئے بھیجا اور ساتھ اپنے جواں مرد بیٹے شہک کو بھی۔ میر باطل کو شکست ہوئی، میر شہک بھی مارا گیا۔ (میر باطل مزاریوں کا سردار جسکو خانِ اعظم نے ہیتان بلوچ کی سرکوبی کے لئے بھیجا تھا اور شکست ہوئی لڑائی میں میر شہک (اسحٰق) مارا گیا)۔

(تاریخ ملتان ج۲، ۵۷ص)

اس موقع پر ہیتان نے عجیب درندگی کا ثبوت دیا کہ میر شہک کے سینے کا گوشت اُتار کر کباب بنا کر کھاتا رہا۔ جب اس واقعہ کی خبر خان اعظم کو ہوئی تو اس وقت وہ دیپال پور میں تھا۔ اسنے پوری فوج کے ہمراہ میر ہیتان کا پیچھا کیا۔ آخر کار گھمسان کا رَن پڑا۔ اور ایک جنگی چال کے تحت میر ہیتان کو شکست ہوئی۔ ایک مزاری نوجوان نے اسکا پیچھا کیا اور اسکو قتل کر ڈالا میر چاکر نے اسکی کھوپڑی طلب کی اور اس میں پانی بھر کر پیا اور اپنا کلیجہ ٹھنڈا کیا۔

میر چاکر خان ۱۵۶۵ء ۹۷۲ھ۔ جبکہ سرکار کی وفات ۵ شوال ۹۵۹ھ یعنی

میر چاکر خان ۱۳ سال سرکار بالا پیر کے بعد زندہ رہا۔

اس واقعہ کو اکثر مورخین نے گڈمُڈ کر دیا ہے۔ انہوں نے ہیبت خان کو ہیتان سمجھا اور شہک کے ساتھ میرن کو ملا دیا۔ صاحبِ تاریخ ملتان نے اس واقعہ کو مختلف المقام لکھ کر ذرا مشکل کر دیا ہے ورنہ موصوف نے اسکو بہت واضح تفصیل سے لکھا۔ لکھتے ہیں :

[خان اعظم اور ہیبت خان کی ہولناک لڑائی کی تفصیلات درج ہیں مگر یہ صحیح نہیں چاکر خان نے بلاشبہ اپنے بیٹے کا انتقام لیا تھا مگر وہ ہیبت خان نہ تو یہ ہیبت خان تھا اور نہ وہ بیٹا یہ بیٹا تھا]

آگے چل کر مندرجہ بالا واقعہ کی اطلاع دے کر لکھتے ہیں۔

Marfat.com

[اس واقع کو میرن خان کے انتقام سے منسوب کرنا، واقعہ کے خلاف ہے میرن خاں کا انتقام صرف چاکر اعظم نے ہی نہیں بلکہ پوری قوم نے لیا۔ مگر سرہند کے مقام میں، اور سور خاندان کو صفحہ دہر سے بالکل ناپید کر دیا]

قارئین! مندرجہ بالا اقتباسات سے معاملہ واضح ہو گیا۔ کہ وہ ہیبت خان بلوچ تھا اور دوسرے ہیبت خان کا واقعہ اس طرح ہے کہ۔

جب لنگاہوں کی حکومت کے زوال کے اسباب شروع ہوئے۔ ۹۳۴ھ میں نواب لنگر خان بھی دہلی روانہ ہو گیا۔ تو ایک دن بڑا عجیب واقعہ ہوا کہ حضرت مخدوم حامد جہاں بخش پر آدھی رات کے وقت حال کا غلبہ ہے اور ایک دیوار سے دوسری دیوار تک چکر لگاتے ہوئے یہ فرما رہے ہیں۔ ''ملتان می فروشم کسے خریدار ہست'' میں ملتان بیچنے والا ہوں کوئی ہے خریدار۔ تو اس وقت حضرت جادہ خادم خاص موجود تھے۔ ان کا میرن بن چاکر اعظم کے ساتھ محبت و دوستی کا رشتہ تھا، بھاگے اور آدھی رات کو اسے جگا کر سارا ماجرا سنایا اور اپنے ساتھ لے آئے، شیخ یرا بھی اسی حال کا غلبہ تھا۔ جونہی فرمایا۔ ملتان می فروشم کسے خریدار ہست''۔ تو میرن آگے بڑھا۔ حضرت نے پوچھا کون؟..... عرض کی آپ کا خادم میرن۔ فرمایا! آگے بڑھ۔ اس نے بڑھ کر اپنا سر حضرت کے قدموں میں ڈال دیا۔ آپ نے فرمایا! تم نے ملتان بڑے سستے داموں خرید لیا۔ جاؤ تم ملتان کے حاکم ہو۔ (تاریخ ملتان)

اس سے پہلے میرن خان کو چاکر اعظم نے اُچ ہی پابند کر رکھا تھا تا کہ دوسرے بلوچ خاندانوں سے رابطہ قائم رہے چونکہ تمام بلوچ قوم حضرت سیدنا محمد غوث بالا پیر کی مرید تھی اور خان اعظم کے ساتھ ہی آپ بھی ستگھرہ میں تشریف فرما تھے۔ اُچ کے نزدیک کے بقیہ قبائل آپ کے چچازاد حامد جہاں بخش کے عقید تمند تھے جن میں میرن بھی تھا۔ خیر..... چاکر اعظم

Marfat.com

نے لنگر خان کے جاتے ہی مرزا کامران کے نائب کو مار بھگا دیا۔ اور اپنی حکومت کا اعلان کر ڈالا اور میر میرن کو ملتان کا حاکم مقرر کیا۔

میرن جب ملتان کا حاکم بنا تو چند سالوں بعد شیر شاہ سوری کی فتوحات بڑھنے لگیں یہاں تک کہ اس کا سپہ سالار ہیبت خان (پٹھان افغانی) ملتان آدھمکا میر میرن اسکی آمد سے پہلے ملتان نہ چھوڑ سکا اور نرغہ میں آ گیا۔ مگر اس نے بزدلوں کی طرح بھاگنا گوارا نہ کیا اور سوری فوج کے سامنے ڈٹ گیا۔ گرفتار ہوا۔

اس کی شہادت کے بارے مؤرخین کے متضاد بیانات ہیں۔ پہلا بیان کہ ہیبت خان نے خنجر مار کر اس ۲۰ سالہ نازنین شہزادہ کو قتل کر دیا۔ دوسرا بیان کہ شیر شاہ سوری کے حکم پر اسے پھانسی دے دی گئی۔ تیسرا قول کہ ہیبت خان نے اس نڈر اور دلیر دشمن کی بے حد ہتک کی اور کم ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کا عضو عضو کاٹ دیا۔ چوتھا قول اس سے بھی زیادہ دردناک ہے کہ اسکے پاؤں گھوڑے کی زین سے باندھ کر اسکو چابک مار دیا گیا اور یوں وہ ایک بے بس مگر بہادر حریف کا مذاق اڑاتا رہا۔ جو کہ بہادروں کے شایانِ شان نہیں۔ اور اس کے بدلہ میں شیر شاہ سے ہمایوں اعظم کا خطاب حاصل کیا۔ اور یہی ہیبت خان بعد میں اعظم ہمایوں کے نام سے مشہور ہوا۔ شیر شاہ نے یہ خطاب محض شہنشاہ نصیر الدین ہمایوں کی ذلت کی خاطر عطا کیا۔ (تاریخ ملتان)

ہمایوں اعظم یعنی ہیبت خاں پٹھان نے چاکر خان کی عدم موجودگی میں ستگھرہ پر کچھ دن یا ماہ تسلط رکھا اور اِس دوران ہی جناب بالا پیر کے نماز جمعہ والا واقعہ پیش آیا۔ جو عوام نے خواہ مخواہ میر چاکر سے منسوب کر دیا۔

اسکا بدلہ چاکر اعظم اور ساری بلوچ قوم نے ہمایوں (مغل تاجدار) کی آمد پر

لیا۔ ہمایوں کی ملاقات، حضرت بالا پیر سے بذریعہ چاکر خان ہوئی اور یہ واقعہ ایران جاتے ہوئے یعنی پسپائی کے ایام میں وقوع پذیر ہوا۔ جب ہمایوں ایران تھا تو چاکر اعظم نے متواتر رابطہ رکھا اور اسکو ہندوستان پر دوبارہ حملہ کرنے کی دعوت کے ساتھ اپنی پوری اعانت اور وفاداری کا یقین دلایا۔ بالآخر ہمایوں ایران سے مدد لے کر ہندوستان پہنچا۔ یہاں میر چاکر خان نے پہلے سے انتظامات کر رکھے تھے ''سرہند'' کے میدان میں ہمایوں اور چاکر اعظم نے سور خاندان کو ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا۔ اور اسطرح میرن کے بدلہ کے ساتھ ساتھ سور خاندان کی حکومت کا چراغ بھی بجھ گیا۔ ہیبت خان (ہمایوں اعظم) کو شیر شاہ کے بیٹے سلیم شاہ (اسلام شاہ) نے چند اور سرداروں کے ساتھ قتل کروا دیا۔ یوں پٹھانوں کی رہی سہی قوت بھی پاش پاش ہوگئی۔ اور سلطنت (تخت) دہلی پر ہمایوں نصیر الدین محمد کے نام سے مسند آراء ہوا۔ (تاریخ ہندو پاک، کتب مختلفہ)

میر چاکر کی آمد

میر شہک رند کا سپوت میر چاکر ایک بلوچ رئیس تھا اسکے آباؤ اجداد کا مسکن سبّی (بلوچستان) تھا۔ وہاں قدیم قبائلی جنگوں میں بلوچوں کے دو قبیلے ''رند'' اور ''لاشار'' سالوں ایک دوسرے سے برسر پیکار رہے۔ اس خونریز لڑائی سے دونوں طرف کا سخت نقصان ہوا۔ ان گنت افراد مارے گئے یہاں تک کہ سواری کے لئے گھوڑوں کا کال بھی بڑھتا چلا گیا۔ میر چاکر حالاتؑ کی انہی بے اعتدالیوں کی نذر ہو کر اپنے لٹے پٹے قافلہ کو لے کر پنجاب (ملتان) پہنچا۔ یہاں ملتان کے باہر پڑاؤ ڈال دیا۔ حاکم ملتان (سلطان حسین بن قطب شاہ لنگاہ) کا جرنیل ابراہیم سُمّہ اسکا پرانا دوست واقف کار تھا۔ الفجر جب اہل ملتان کی آنکھ کھلی تو شہر ملتان سے باہر ایک وسیع پڑاؤ دیکھنے میں آیا۔ اہل ملتان نے پریشان ہو کر حاکم

Marfat.com

ملتان کوخبر کی۔تو اس نے اپنے معتمد افراد کا ایک وفد خبر گیری کے لئے بھیجا۔واپسی پر ابراہیم نے خبر دی کہ کوئی فکر مندی والی بات نہیں۔یہ شخص میرا پرانا دوست ہے اور اپنے خاندان کی ناجوازیوں کا خمیازہ بھگتتا ہوا یہاں آیا ہے۔اور ساتھ ہی بادشاہ کو مشورہ دیا کہ یہ ایک بہادر اور جنگجو آدمی ہے اور وفادار بھی ہے اگر آپ اسکو لاہور کی طرف کوئی جاگیر عطا کر دیں تو عسکری لحاظ،اور سرحدی دفاع کے لئے ہمارا محافظ ثابت ہوگا۔اور آئے دن پٹھانوں اور مغلوں کے حملوں کا خطرہ بھی ٹل جائے گا۔

بادشاہ کو یہ تجویز پسند آئی اور اس کو شنگھرہ کی جاگیر کا شاہی فرمان لکھ دیا۔میر چاکر نے کہا کہ اس وقت تو میں ''اُچ شریف'' کا ارادہ رکھتا ہوں تا کہ اپنے پیرو مرشد سیدنا عبدالقادر ثانی قدس اللہ سرہٗ کی زیارت کے ساتھ ساتھ انکی اجازت بھی حاصل کرلوں۔

حضورؒ کی اُچ سے روانگی

خیر میر چاکر اپنے لاؤ لشکر سمیت اُچ روانہ ہوا۔حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوکر پہلے اپنے خاندان کی بربادی کا قصّہ سنایا۔حضرت مخدوم نے اسکی دلجوئی فرمائی اور آئیندہ کا ارادہ بھانپ کر اجازت مرحمت فرمائی۔اور ساتھ ہی یہ حکم فرمایا! کہ میرے اس جگر گوشہ (میر محمد غوث بالا پیر) کو اپنے ساتھ لیتے جاؤ۔یہ تمہارے لشکر کیلئے فتح نامہ ثابت ہوگا (انشاء اللہ)۔اپنے پیر کی اس کرم فرمائی پر مخلص مرید کی آنکھوں سے اشکوں کی لڑی بہہ نکلی اور عرض کی ناچیز اس قابل کہاں مگر حضور کا ارشاد سر آنکھوں پر انشاء اللہ اس شہزادہ کو ایک نعمت سمجھتے ہوئے اپنی جان مال اور اولاد سے زیادہ عزیز رکھوں گا۔دعائے خیر کے بعد سیدنا عبدالقادر ثانی نے اپنے دل پہ صبر کرتے ہوئے اپنے اس ہونہار پوتے کو اُچ سے باہر میر چاکر کی معیت میں الوداع کہا۔تب فرقت غم سے آنکھیں بہہ نکلیں اور فی امان اللہ کہہ کر واپس اُچ آگئے۔

Marfat.com

اس وقت آنجناب کی عمر ۱۱ سال تھی۔

میر چاکر ستگھرہ آکر مقیم ہوا اس وقت شہنشاہ بابر دلی کا حکمران تھا۔ ادھر شیر شاہ سوری (افغانی) کے حملے بھی بڑھتے جا رہے تھے۔ مگر میر چاکر نے جوانمردی کے ساتھ اپنا کیا وعدہ نبھایا اور ملتان کے لئے ایک ڈھال ثابت ہوا۔

ستگھرہ یا صدگھرہ

''ست گھرہ'' اور ''صدگھرہ'' میں فرق صرف ''س'' اور ''ص'' کا ہے۔ مولینا نور احمد فریدی، قصرِ ادب ملتان والے ایک سن رسیدہ عالم اور جہاں دیدہ مورخ تھے۔ انکی تحقیق ملاحظہ کی جائے تو یہ قصبہ پہلے ''ستگھرہ'' ہی کہلاتا تھا۔ ''ست'' کا معنٰے سچا اور ''گھرہ'' گھر سے نسبت ہے۔ یعنی ''سچّا گھر''۔ یہ قصبہ ہندوؤں کا ایک تیرتھ استھان تھا اور پورے ہند کیلئے عقیدت کا مرکز تھا جیسے کہ مسلمانوں کیلئے ''بیت اللہ''۔ اور ''صاحبِ شجرۃ الانوار'' سیّد اصغر علی شاہ گیلانی لاہوری ثم پشاوری نے ''بالا پیر'' جناب کے ذکر اور گیلانی سادات کے حلب سے اُچ آنے اور اُچ سے ست گھرہ آنے کے ذکر میں اِس کو صدگھرہ سے موسوم کیا ہے۔ ''س'' اور ''ص'' کے فرق سے ''صوتی'' لحاظ سے تو وہی نام کہنے سننے میں رہا لیکن ''س'' اور ''ص'' کے تبادلے نے واضح کر دیا۔ کہ میر چاکر خان بلوچ کے حلیف ایک سو (100) بلوچ گھر تھے۔ جو خاندانی اور اعلٰی بلوچ گھرانے یا قبائل تھے۔ آج کے دَور میں اِس قصبہ کے اردگرد اُن ایک سو گھرانوں کی بستیوں کے آثار کھنڈرات، ٹبوں، ٹیلوں کی صورت میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ ستگھرہ آج نہ تو ''ست گھرہ'' ہے اور نہ ہی یہ ''صدگھرہ'' رہا۔ ایک وقت تھا جب لاہور اور ملتان کے درمیان یہ قصبہ ایک معروف مقام تھا مغل بادشاہ بابر کے عہد میں مغل فوجوں اور پھر شیر شاہ سوری کے عہد میں پٹھان لشکروں کی مشہور اور آسان، لاہور اور ملتان کے درمیان

ایک قریب ترین اور قدیم ترین گذرگاہ پر واقع ہے۔

۹۳۳ھ کے آواخر میں سندھ خصوصاً ملتان کی لنگاہ سلطنت کے زوال کے بعد، نواب چاکر خاں رند نے اِس سلطنت کو بلا شرکت غیرہ، حاصل کرنے کی انتہائی کوشش کی۔ ستگھرہ کو پایہ تخت منتخب کر کے بلوچ سلطنت کی بنیاد رکھی۔ میر چاکر کے اِرادے دِلّی تک اس بلوچ ریاست کو پھیلانے کے تھے۔ اُس نے بجائے ملتان یا لاہور کے ستگھرہ کو اپنا پایۂ تخت بنایا۔ میر چاکر خان نے پرانے شہر ستگھرہ کے شمال میں لاہور ملتان گذرگاہ کے قریب نئے شہر کی بنیاد رکھی۔ کیونکہ پرانا شہر تمام تر ہندوؤں کی آبادی پر مشتمل تھا۔ لہذا مسلم آبادی کیلئے ایک نئے شہر کی ضرورت تھی۔ تا کہ دونوں قومیں اپنے اپنے مذہبی رسم ورواج میں آزاد رہیں۔ اِس نئے شہر صد گھرہ کی مضبوط فصیل تھی اور اس کے اندر عالیشان محلات، دیوانِ عام و دیوانِ خاص تیار کروائے۔ دریائے راوی سے نہری طرز کی چھاڑیں نکلوائیں۔ تا کہ دل کشا باغات اور بہترین پھلوں کے لگوائے گئے پودوں کی سیرابی ہو سکے۔ خوشنما پھولوں کے تختے سجوائے اور اِس شہر کو بہشتِ بریں کا نمونہ بنایا۔ اِن نہروں کے اردگرد کی نشیبی زمین کو قابل کاشت کروا کر غلّہ اور اجناس کی کمی کو فراوانی میں بدل دیا۔ باقی جنگلات کو مال مویشی کی چراگاہ کے طور پر تحفظ دیا۔ ''ست گھرہ'' کی پرانی ہندو آبادی کے نشانات آج کی آبادی کے جنوب میں ایک تالاب شکستہ، ایک مڑھی اور اِچھا رام کے شمشان یا سمادھی پر ایک شکستہ عمارت گنبد کی شکل میں موجود ہے۔

مغل دَور کے ستگھرہ کی ایک نشانی مرزا فرید بیگ کی قبر، میر چاکر خان کے قلعہ یا مقبرہ کے مغرب میں سیّد واجد علی شاہ، سیّد نادر علی شاہ مرحومین پسران سیّد کرم علی شاہؒ کے ڈیرہ میں، مسجد کے قریب موجود ہے۔ (روایت سیّد مظفر علی گیلانی ایڈووکیٹ ستگھرہ)

Marfat.com

باقی بلوچ راجدھانی کے آثار، دربارِاقدس بالا پیرامیر قدس اللہ کے ملحقہ قبرستان کے اردگرد چکوک، 11\1.R، 14\1.R، 15\1.R، 12\1.R کالے پور، 12\G.D موضع مردانی اور دیگر ملحقہ چکوک کی زرعی زمینوں میں ٹیلوں کی صورت میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ یہ آثار تو تحصیل وضلع اوکاڑہ میں موجود ہیں۔ اس سے آگے تحقیق شدہ مآثر تو لاہور اور ملتان کے درمیان اور بھی پائے گئے ہیں۔ یعنی۔ کوٹ میر چاکر، شاہو بلوچ، خانکمال، کوٹ میرن خان، گشکوری گورگیجن یہ سب آبادیاں میر چاکر کے بیٹوں اور حلیف قبائل کے نام پر آج بھی موجود ہیں۔

احقر کو انگریز مورخوں سے مکمل اتفاق نہیں۔ ہمارے ہاں آخر یورپی مورخین کی تحقیق ہی کو مستند کیوں سمجھا جاتا ہے کیا مسلم مورخین کو یہ اعزاز نہیں دیا جا سکتا جنہوں نے تورات، زبور، انجیل کے مطالعے کے بعد وحی الٰہی کے نزول قرآن مجید اور فرقانِ حمید کو بھی اپنی تحقیق کا مرکز بنایا ہے؟؟۔ زمین پر انسان کی آمد اور انسانی تہذیب کے ارتقا کی روائتوں پر یورپی مورخوں کو ہی کیوں اتھارٹی سمجھا جائے؟؟۔ انہیں عقلِ کل سمجھنا، کیا خود احساسِ کمتری میں مبتلا ہونا نہ کہا جائے گا؟؟۔ انگریز مورخوں پر ہمیں اعتراض ہے کہ انہوں نے مسلم ملت کی حریت کو سرکشی اور حق خودارادیت کو بغاوت کا نام دیا۔ برِصغیر ہندو پاک کے مورخین کو ہی یہ حق پہنچتا ہے کہ اُن کی روایت کو اولیّت دی جائے اور سچا سمجھا جائے۔ کیونکہ برِصغیر ایشیا کے پرانے وسنیک تو ہندو یا مسلمان مورخ ہی ہیں اور وہی جانتے ہیں کہ مغربی استبداد اور استعمار سے اُن پر کیا کچھ بیتی؟۔ لہذا ہمیں انہی کے قیاس اور تحریر واقتباس پر ہی یقین کرنا چاہیئے جنکے بے شمار مآثر آج بھی موجود ہیں۔

قبرستان دربار بالا پیر کے مغرب میں آج بھی ایک ایکڑ رقبہ قبرستان مذکور کے نام

ہے جہاں مستوراتِ مخدرات سادات گیلانی کی قبور ہیں۔ یہ قبریں ایک پختہ اور پرانی چار دیواری کے اندر موجود ہیں اور یہ چار دیواری مسقّف ہے۔ کوئی مرد اسکے اندر نہیں جا سکتا لوگ دل سے ادب کرتے ہیں۔ باقی رقبہ خالی پڑا ہے جس پر کسی بھی مخالف گروپ کا قبضہ نہیں ہے۔

ہم اس دعوے کے ثبوت میں ''مقاماتِ داؤدی'' حضرت مخدوم داؤد بندگی کرمانیؒ کے ملفوظ اور خافی خان؛ مرزا ہاشم بیگ جو عہد شاہجہان مغل تاجدارِ ہند کا مصاحب امیر اور مورخ تھا کے رشحات قلم۔، منٹگمری گزٹ مرتبہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۶۴ء ج ۴ کے نام پیش کرتے ہیں۔ جو اس حقیقت کے شاہد ہیں۔

خانِ اعظم میر چاکر خان رند نے قدیم ستگھرہ کے شمالی پہلو میں جدید صد گھرہ تعمیر کرایا۔ یہ قلعہ نما عمارت کھنڈر کی صورت میں آج بھی موجود ہے اور اپنی عظمتِ رفتہ کی معتبر گواہ ہے۔ قلعہ کی فصیل کے چاروں طرف چار برج موجود تھے۔ جن میں سے آج صرف ایک ہشت پہلو برج کی باقیات موجود ہیں۔ اس برج میں میر چاکرِ اعظم رند کی قبر ہے۔

ستگھرہ

اب ستگھرہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ جو لاہور کے مغرب میں ایک صد کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ صاحب ''شجرۃ الانوار'' نے بھی اسکو صد گھرہ کہہ کر پکارا۔ لہذا ہمیں بھی صد گھرہ ہی لکھنا اور پڑھنا چاہیئے۔

دونوں اقوال میں تطبیق بھی ممکن ہے۔ کہ قدیم ہندو قصبہ کو ستگھرہ اور بعد میں اسلامی سلطنت خصوصاً میر چاکر اعظم کے دور میں یہی صد گھرہ کہا جانے لگا۔۔۔ آگے اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

ہجرت اوّل جناب حضور ''امیر'' بالا پیر

(اُچ سے پہلی ہجرت)

مشہور مقولہ ہے کہ ''ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات'' کم سن پوتا حضرت مخدوم ثانی کی توجہ اور فیض کا مرکز ومحور ٹھہرا۔ چونکہ آپکی پیدائش کے چند سال بعد والدہ بھی رحلت فرما گئیں تو تمام تر ذمہ داری دادا پہ آپڑی جسکو آپ نے بطریقِ احسن نبھایا۔ ابتدائی تعلیم بھی حضرت والا نے دادا سے حاصل کی۔ حضرت مولینا جامی کا ان دنوں اُچ خاص آنا جانا تھا۔ حضرت مخدوم کی خواہش پر آپ نے ابتدائی کتب کے چند اسباق تبرکاً حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی پڑھے۔

حسد بھی شروع سے ہی اولاد آدم کا مقدر رہا ہے۔ دادا کی بے حد توجہ، محبت اور التفات نے حاسدین کا ایک مضبوط گروہ پیدا کر دیا۔ چونکہ عقیدتمندوں سے لے کر تمام تر متعلقین اُچ کا رجحان اس ننھے منے شہزادہ کی طرف تھا۔ چونکہ وہ دادا کا منظورِ نظر تھا۔ سو اسی وجہ سے حالات شدید تر ہوتے چلے گئے۔ کہ اس معصوم فرشتہ کو زہر تک دینے کی نوبت آ پہنچی۔ تو دادا نے اپنے ایک معتمد پرانے ملازم غلام عبدالقادر سے مشورہ کیا۔

عبدالقادر۔۔؟، عبدالقادر وہ جواں سال عالم مولینا عبدالقادر، حضرت مخدومِ اوّل بندگی سید محمد غوث کے ایک عقیدت منداور جاں نثار خدمت گذار تھے جو آپ حضرت مخدوم

Marfat.com

کے ہمراہ حلب سے ہی تشریف لائے تھے۔اور آپکے بچوں کے اتالیق تھے۔مولینا اپنے مرشد کے تخلّص کی نسبت سے فقیر قادری کہلاتے تھے۔جبکہ حضرت مخدوم قادری تخلص فرماتے تھے۔مولینا؛حضرت مخدوم ثانی سید عبدلقادر ثانی کے ہمراہ ملتان میں آئے اور اپنی عمر طبعی ختم کرنے کے بعد چوک شاہ عباس ملتان دفن ہوئے۔انہوں نے اپنے عہد طفولیت سے لیکر پختہ عمر تک اپنے پیر خانہ کی چار پشتیں دیکھیں۔(تاریخ ملتان، ج دوم،ص ۸۵)۔

اب پختہ عمر کا ایک معتمد اور راز داں ملازم تھا۔اس کی تجویز پر آپ کو اسی کی معیت میں ملتان مولینا معزالدین ملتانی کے مدرسہ میں بھیج دیا گیا۔اس وقت آپکی عمر مبارک ۹ سال تھی۔مولینا معزالدین ملتانی ایک متبحر عالم دین تھے اور سرکار ثانی ''شیخ الاسلام'' کے مقام ومرتبہ کے پیش نظر آپکے انتہائی قدردان اور معتقد تھے۔

ابھی ایک سال کی تعلیم ہی مکمل ہو پائی تھی کہ وہ ظالم ہاتھ وہاں بھی آن پہنچے۔شہزادہ کی جان بچانا مشکل ہوگئی تو عبدالقادر آپ کو لے کر اُچ پہنچے سارا ماجرا سنایا اور عرض کیا کہ اب یہ نحیف ہاتھ اس شہزادہ کی حفاظت نہیں کر سکتے۔اللہ نہ کرے اگر اسکو کچھ ہو گیا تو فقیر اپنے پیر خانہ کا بہت بڑا مجرم ہوگا۔آپ (دادا قادر ثانی) ان کو اپنی ہی حفاظت (Custody) میں رکھیں تو زیادہ بہتر ہے۔تو سرکار بالا پیر دوبارہ دادا کی خدمت میں آ گئے اس وقت آپکی عمر ۱۰ سال تھی۔دادا پوتا کی آپس میں الفت ویگانگت کا یہ عالم تھا کہ جو مسند حضرت مخدوم ثانی کیلئے بچھائی جاتی تھی آپ اس پر بلا جھجک بیٹھ جاتے جبکہ اس مسند پر حضرت والا مخدوم ثانی کے صاحبزادوں کو بیٹھنے کی ہمت نہ ہوتی۔اور نہ ہی اجازت تھی۔دراصل یہی ایماء غیبی تھا جو آئیندہ وارثِ مسند کے تعین کے حق میں جاتا ہے حالانکہ یہ بات دوسروں کو ناگوار گذرتی ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

نواب لنگر خان بلوچ

شاہ حسین ارغون نے ملتان کی فتح کے بعد اسکے انتظامی امور کے لئے تین امراء تعینات کئے۔ دولت آخور، شمس الدین اور نواب لنگر خان لاشاری بلوچ ..... گیارہ ماہ تک ملتان ان تین امراء کے ظلم واستبداد کے نیچے دبا رہا۔ اس وقت مسند اُچ پر حضرت مخدوم ثانی جلوہ آراء تھے۔ جب وہ ملتان تشریف لاتے تو اسکی رونق دوبالا ہو جاتی مسجدیں اور مدارس میں چہل پہل اور نمازیوں سے صفیں بھر جاتیں۔ گویا جیسے مردہ رگوں میں خون چل پڑے۔

نواب لنگر خان دوسرے دو امراء کی نسبت ہر دلعزیز تھا۔ اس کا رویہ عوام اور رعایا کے ساتھ مخلصانہ تھا۔ عوام کی اس محبت کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے اس نے دونوں کو نکال باہر کیا اور ملتان پر اپنا مکمل تسلط جما لیا۔ مگر وہ یہ جانتا تھا کہ بابر اور ارغون کی موجودگی میں اسکی شمع دیر تک روشن نہیں رہ سکتی۔ سو اس نے میر چاکر خان سے مشورہ کیا تو خانِ اعظم نے لکھا کہ کیوں نہ ہم تم ملکر بلوچ سلطنت قائم کر لیں۔ آپ میری وزارت قبول کر لیں۔ اگر یہ صورت نا قابل قبول ہو تو پھر ملتان بابر کے حوالے کر دو میں جانوں اور وہ جانے۔ لنگر خان نے دوسری صورت کو ترجیح دی اور ملتان سے دہلی روانہ ہونے پر تیار ہو گیا۔ اسی اثنا میں ایک واقعہ درپیش ہوا کہ۔

میر جہان خان لنگاہ نے (جو کہ سرکار عبدالقادر ثانی کا مرید تھا) اس نے لنگر خان سے بغاوت کر دی۔ نہ ہی سرکاری واجبات ادا کیے بلکہ لڑنے پر تُل کھڑا ہوا۔ اس سلسلہ میں لنگر خان کو سیدنا مخدوم ثانی کی خدمت میں حاضر ہو کر میر جہان خان کو رام کروانے کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ میر جہان خان نے اپنے مرشد وہادی کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ مگر لنگر خان (جو ابھی تک سرکار کا مرید نہ تھا) اس نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور جہان خان

پر چڑھ دوڑا۔ جب یہ خبر حضرت مخدوم کی خدمت میں پہنچی تو آپ بہت غضبناک ہوئے اور فرمایا! جہان خان کا بال بھی بیکا نہ ہو سکے گا۔ لنگر خان ناکام و نادم ہوا اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر قدم بوس ہو گیا۔ اور بیعت کے لئے درخواست کی آپ نے فرمایا!۔ ''تم کسی اور کی امانت ہو''۔ سو جب لنگر خان نے دہلی روانہ ہونا چاہا تو مخدوم ثانی خود اسکی معیت میں لاہور تشریف لائے اور لنگر خان کا ہاتھ اپنے یتیم پوتے سیدنا قطب الاقطاب محمد غوث بالا پیر کے ہاتھ میں دے دیا۔ اور دعائے خیر دے کر دہلی رخصت فرمایا۔ دربار بابری سے لنگر خان بامراد لوٹا اور واپسی پر لاہور میں جاگیر عنایت ہوئی۔ (تاریخ ملتان ج ۲ ص ۴۸)

وہیں اس نے اپنے خاندان کے محلات کے ساتھ اپنے مرشد کے لئے خانقاہ تعمیر کروائی۔ اس جگہ کو گزرگاہ لنگر خان کہتے ہیں۔ بعد میں حضرت مخدوم ثانی نے جہاں گیلانی سادات کے گھر تھے اسکو محلّہ رسول پورہ کے نام سے موسوم کیا۔ (حیات الامیر ج ۱)

☆☆☆

قیام ستگھرہ

آپ جناب بالا پیر سائیں مسلسل تین سے چار سال تک میر چاکر کے ہمراہ ستگھرہ میں قیام پذیر رہے۔ میر چاکر خان نے ستگھرہ میں اقتدار پختہ کرنے کے بعد آپ جناب بالا پیر سے مشورہ کیا کہ آپ سِلاحِ جنگ کی تربیت اور اِس میں مہارت حاصل کر لیں تو میں آپ کو ہمیشہ اپنی نظروں کے سامنے اپنے ساتھ رکھوں گا۔ یا پھر آپ کے لئے خانقاہ تعمیر کروا کر درس و تدریس کا بندوبست کروں تا کہ آپ صدگھرہ قلعہ میں ہی قیام پذیر رہیں۔ آپ قدس اللہ نے دونوں تجاویز سے اتفاق نہ فرمایا۔ اور مزید طلب علم کی خاطر سیاحت و سفر کو ترجیح دی۔ اس صورت میں آپ کو زیادہ شوق اپنے شہید والد گرامی کی قبر کی زیارت کا بھی تھا کہ

Marfat.com

ناگور جاسکوں گا۔ میر چاکر بہ مشکل رضا مند ہوا۔ اسکے بعد سیر وسیاحت کے لئے نکلے تو لاہور کے راستہ سے اجمیر، دہلی، ناگور پہنچے اپنے والد ماجد کی مزار اقدس پر حاضری کے بعد اسی ترتیب سے واپس ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک تقریباً بیس سال تھی۔ اس عمر میں آپکی ریاضت اور جہد کے مرتبہ کا اندازہ اس روایت سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب اجمیر پہنچے تو فقیرانہ حال تھا لباس بھی شدت سفر سے بوسیدہ ہو چکا تھا۔ حضرت شیخ الہندؒ کی درگاہ پر حاضری دی اور مہمان خانہ میں تشریف فرما ہوئے۔ ادھر درگاہ کے سجادہ نشین کو حضرت خواجہ معین الدین کا اشارہ ہوا کہ تم ادھر آرام سے بیٹھے ہو اور شیخ السمٰوٰت والارض سیدی عبدالقادر جیلانی کا فرزند ادھر عام مہمان خانہ میں ہے۔ وہ آئے اور سیدی محمد غوث بالا پیر کو پہچان کر عرض کی .....حضرت اندر تشریف لائیں۔

درگاہ کے سجادہ نشین نہایت عقید تمندی سے معزز مہمان کی خدمت بجالاتے رہے قیام وطعام کے بعد سلسلہ گفت وشنید شروع ہوا تو معرفت کے رموز اوقات بیان کرتے ہوئے حضرت والا پیر بالا نے فرمایا! کہ حضرت خواجہ فرید الدین نے انتہائی کٹھن اور مشکل مجاہدات میں بے انتہا وقت صرف کیا اگر فقیر اس دَور میں ہوتا تو ان کو اسقدر مشکلات کا سامنا نہ کرنے دیتا ''ھو'' کی ایک ہی ضرب سے ''مقام قرب'' تک پہنچا دیتا (بابا صاحبؒ والا کنواں آج بھی اُچ میں موجود ہے۔)۔ یہ فرمان سن کر حاضرین دم بخود ہو کر غوث الثقلینؒ کے پوتے کی شان جلالت ملاحظہ کر رہے تھے۔ جسکا فرمان ہے!

انا الحسنی والمخدع مقامی

و اقداسي علی عنق الرجال

(اس محفل میں پاکپتن کے گدی نشین شیخ ابراہیم المعروف فرید ثانی موجود

Marfat.com

تھے۔تاریخ گدی نشینی ۱۵۴۳ء)۔

اس سیاحت سے واپسی پر آپ بالاکوٹ، کشمیر، سری نگر، قندھار اور تربت سے واپسی پر مانسہرہ، ایبٹ آباد سے ہوتے ہوئے دوبارہ لاہور تشریف لائے۔

☆☆☆

دونوں بلوچ سرداروں کا قبائلی پس منظر

دونوں قبائل کا پس منظر، تعصب اور عداوت کے لحاظ سے رند لاشار جنگوں کی صورت میں صفحہ قرطاس تاریخ پر زندہ اور روشن ہے۔رند لاشار جنگیں، بعثِ رسالت سے قبل اوس وخزرج کی جنگوں اور حمیّتِ جاہلانہ سے مشابہت رکھتی ہیں۔جس طرح رسولِ اکرم ﷺ کی بعثت کی برکت سے اوس وخزرج شیروشکر ہوگئے اسی طرح رند ولاشار بھی حضرت سیّد عبدالقادر ثانی قدس سرہٗ العزیز کے دستِ بیعت کی برکت سے ایک دوسرے کے باہم دست وبازو بن گئے۔اور اپنی پرانی رنجشیں بھلا کر نئی اخوّت اور مضبوط قوّت قائم کی۔

یہ سب انقلابات!، ساداتِ گیلانیہ کے مخدوم ثانی اور اِنکے پوتے بالا پیر امیر گیلانی قدس اللہ سرہٗ العزیز کی کرامات ہیں۔اسی لئے بالا پیر گیلانی کو ''بلوچاں دا پیر'' کے نام سے تواریخِ مسلم وہندو جانتی ہیں۔اور ستگھرہ کے آج صفحہ ہستی پر موجود ہونے کی علامت بھی یہی نام نامی اسم گرامی ہے۔

اب تعجب اس بات پر ہے کہ پاکستان میں بسنے والے بلوچ جن کا سلسلہ نسب میر چاکر اعظم رند اور نواب لنگر خان لاشاری سے ملتا ہے، یہ سب بالا پیر امیر قدس اللہ کے نام و نسب اور انس وعقیدت سے نامانوس ہیں؟؟؟۔باقی تمام برِّصغیر کے اولیائے کرام سے واقف اور اپنے جدّی پیر سے ناواقفیت!!''چہ معنی دارد''؟؟۔حالانکہ اِن خانوادوں میں آج

بھی کئی شخصیّتیں قد آور اور اقتدار میں ہیں۔ یہ رِند، لاشار بلوچ قبائل کے لئے لمحۂ فکریہ ہے۔

تفصیل ازواج حضرت والا محمد غوث پیر بالا

حضرت سیدنا محمد غوث بالا پیر جب لاہور میں تشریف فرما تھے تو ایک بار آپ کے دادا مخدوم ثانی قدس سرّہٗ کے دل میں آپکے شوق ملاقات نے زوردار انگڑائی لی۔ اور انہوں نے نامساعد حالات کے باوجود لاہور جانے کی ٹھان لی۔ ادھر نواب لنگر بلوچ بھی لاہور کا ارادہ رکھتا تھا۔ سو اِسی کے ہمراہ عازم سفر لاہور ہوئے۔ لاہور پہنچ کر اپنے پوتے کو طلب کیا اور نواب لنگر کا ہاتھ حضرت بالا کے ہاتھ میں دیتے ہوئے فرمایا! کہ اسے اپنی بیعت کر لیجئے اور اس پر خاص توجہ رکھیئے۔ اسکے بعد نواب لنگر کو بھی تا دم آخر حضرت کا طالب و مخلص رہنے کی تاکید فرمائی۔ اس سفر میں سیدنا مخدوم ثانی نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اپنا آخری فرض بھی پورا کر دینا چاہا۔ تاکہ اس یتیم پوتے کے حقوق و فرائض سے مکمل عہدہ برآ ہو سکیں۔ سید محمد غوث بالا پیر کی رسم مناکحت کا اہتمام کیا گیا۔ سید قادر ثانی نے بخاری سادات جو اس وقت لاہور میں تشریف فرما تھے اور حضرت عبدالقادر ثانی کے بھی سسرال تھے اسی خاندان سے حضرت سید علم الدین ثانی بخاری کی دختر نیک اختر کا ہاتھ مانگا۔ اقرار پر رسم نکاح ادا کی گئی۔ سیدۃ کا نام بی بی گاماں عرف وڈی سائین تھا ممکن ہے کہ اصل نام بی بی غلام فاطمہ ہو بنت سید علم الدین ثانی بن سید جلال الدین بن سید علم الدین اوّل محمد شاہ بخاری۔

اس سے پہلے سیدۃ آمنہ بنت سید علم الدین اوّل بن سید ناصر الدین بن سید جلال الدین مخدوم جہانیاں، جہاں گشت بن سید احمد کبیر بن سید جلال الدین سرخپوش بخاری، آپکے دادا عبدالقادر ثانی کے عقد میں تھیں یعنی سید محمد غوث بالا پیر کی دادی صاحبہ۔ (شجرۃ الانوار)

سو اس فریضہ سے عہدہ برآ ہوتے ہی پند نصائح کے بعد واپس عازم اُچ

ہوئے۔حضرت سیدنا محمد غوث نے عرض کیا۔دادا سائیں میری منزل کہاں ہے۔آپ پھر واپس اُچ تشریف لے جا رہے ہیں؟۔حضرت مخدوم نے چندے توقف کے بعد فرمایا!سیاحت کرو جہاں دودھ،شہد اور جَو کی روٹی ایک ساتھ میسر آئے وہی تیری منزل ہو گی۔تجھے اللہ کے حوالے کیا شاید اسکے بعد ملاقات نہ ہو سکے۔ان الفاظ کے ساتھ دادا اور پوتا دونوں کی آنکھیں بھر آئیں۔یہ حالت دیکھ کر مخدوم ثانی نے فرمایا! ہر حال میں اپنے اللہ پہ بھروسہ رکھنا۔حَسبُنَا اللہ وَنعم الوَکِیل ۔اللہ ہی ہمارا (تمہارا) بہترین حامی وناصر ہے۔یہ تسلی کے آخری الفاظ تھے اسکے بعد فراق کے عرصے دراز ہو گئے۔غالباً یہ سن ۹۳۵ھ تھا۔اور سید والا وبالا کی عمر مبارک ۲۵ سال تھی یا اس سے بھی کم۔

مخدوم عبدالقادر ثانی کا وصال

۹۴۰ھ میں حضرت سیدنا مخدوم ثانی کا وصال ہو گیا۔آپ کو اسکی خبر لاہور پہنچی۔چونکہ اس وقت آپ کے چھوٹے دادا سیدنا عبداللہ ربانی بھی اپنی اولاد سمیت لاہور مقیم تھے۔آپ اسی اثنا میں اُچ پہنچے حضرت دادا کی آخری رسومات (تجہیز وتکفین) کے بعد مسند خلافت وارشاد کا جھگڑا پیدا ہوا۔تو آپکو یہ فتوٰی دکھا کر بے دخل کر دیا گیا کہ دادا کی وفات کے بعد پوتا نہیں بلکہ دادا کا بیٹا وارث ہوتا ہے۔صاحب شجرۃ الانوار سید اصغر شاہ بن شاہ گدا آپ کے چھوٹے دادا سید عبداللہ ربانی کی اولاد میں سے ہیں۔لکھتے ہیں کہ آپ (محمد غوث بالا) اُچ سے نکل آئے"۔

صاحبو!!۔۔غور کیجئے کہ یہ عجب اسلامی فتوٰی ہے جو پوتے کو دادا کی وراثت سے نکال باہر کرتا ہے۔آخر کس رو سے؟۔کیا فقہ اسلامی میں پوتا دادے کی وراثت کا بھی حق دار نہیں چلو مسند خلافت و ارشاد تو بعد کی بات ہے۔کیا آپ سید زین العابدین کے بیٹے

Marfat.com

نہیں تھے؟۔کیا دادا کے منظورِ نظر نہیں تھے؟۔کیا آپ کے ننھیال ساداتِ بخاری اُچ نہیں ہیں؟۔۔۔۔یہ تمام تر سوالات۔۔۔کیا ان کے جوابات نہیں۔۔۔؟۔۔

الامان! مسند خلافت اُچ تو درکنار آپ کو وراثت سے بھی محروم کر کے اُچ سے یہ کہہ کر نکال دیا گیا کہ جو کچھ جائیداد تھی وہ تمہارے باپ کو ناگور میں عطا کر دی گئی۔وہیں کا نظام سنبھال لو۔حالانکہ ناگور محض ایک روحانی خانقاہ تھی جس پر سیدنا زین العابدین کو بھیجا گیا صرف دعوتِ اسلام اور تبلیغ دین کے لئے۔وہاں کوئی جائیداد تو نہ تھی۔آپ کی آبائی اور جدی وراثت تو تمام تر اُچ میں تھی جس سے اس شہزادہ کو محروم کر کے لاہور جانے پر مجبور کر دیا گیا۔جبکہ حضرت ثانی کی وفات کے وقت خود سید عبدالرزاق تو ناگور میں تھے یعنی اسی درگاہ کے نظم ونسق کے لئے، پھر آپؒ کہاں جاتے.....؟۔

ان تمام قرائن کی موجودگی اور اُٹھنے والے سوالوں نے ایک منظر بالکل واضح کر دیا ہے۔کہ سیدنا زین العابدین مخدوم ثانی کے بڑے صاحبزادے تھے۔اسی وجہ سے آپ کو ناگور میں مسند نشین کیا گیا۔جو کہ اس وقت کا ایک اہم فریضہ تھا۔اور جناب پیرؒ بالا کا دعوٰی خلافت بھی اسی لیے تھا، اگر سیدنا عبدالرزاق بڑے صاحبزادے اور اُچ کی خلافت کے دعوے دار ہوتے تو سیدنا محمد غوث اعلیٰ وبالا کبھی بھی اپنے تایا کے مقابلہ میں دعوٰی دستار وسجادگی بلند نہ کرتے۔کچھ نہ کچھ بنیاد (Base) تو اس دعوٰی کی ضرور ہوگی ورنہ وہ شہزادہ جو ۹ سال کی عمر میں اُچ سے روانہ ہوا تھا دوبارہ کبھی خلافت اُچ کا مطالبہ نہ کرتا۔(قارئین بھی غور فرمائیں قرائن تو واضح ہیں) رہ گئی بات خلافت کی اگر زین العابدین اسکے اہل نہ ہوتے تو مخدوم ثانی انکو اپنی زندگی میں ہی اپنا خلیفہ بنا کر ناگور کی خانقاہ پر روانہ کیوں فرماتے جو کہ ایک اہم فریضہ تھا۔چونکہ اُچ میں خود تشریف فرما تھے اس لئے انکو اپنی زندگی میں خلیفہ بنا ڈالا۔اس جگہ یہ بھی

Marfat.com

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مخدوم ثانی نے کسی اور کو بھی اپنا خلیفہ نامزد کیا۔؟

زین العابدین کے بعد انکے فرزندِ ارجمند پر دادا کے بے انتہا محبت والفت اور توجہ و التفات۔۔۔؟ کیا معنی؟ پھر اس کے بعد مریدین وعقید تمندوں کو حضرت سید والا، اعلیٰ وبالا کی بیعت کیلئے حکم دینا۔۔ یہ سب امور منشاء ہائے خلافت، دستار و سجادگی نہیں تو کیا ہیں۔نواب لنگر خان کو محمد غوث بالا کا مرید کس نے کروایا۔اور بیعت لینے کی اجازت دادا نے اپنی زندگی میں عطا کی، کیا کسی اور اولاد کو بھی یہ حق دیا.....؟۔

اسکے باوجود آپ کو اُچ کی مسندِ خلافت سے دور کر دیا گیا۔مسند خلافت وارشاد کی عطا صاحب مسند کی منشاء اور تقاضاء رضائے الٰہی ہوا کرتا ہے۔اسمیں بڑائی اور چھوٹائی پیش نظر نہیں ہوتی۔بفرض محال اگر زین العابدین چھوٹے بھی ہیں اور محمد غوث بالا اس لحاظ سے چھوٹے کی اولاد ہیں، تب بھی دیکھنا تو مخدوم قادر ثانی کی منشاء کو ہے جو صاحب مسند وارشاد و خلافت اُچ کے مالک ہیں یا بڑائی اور چھوٹائی کے اصول کو۔یہ اصول ایسی طریقت کے تو قطعاً نہیں ہوتے۔اگر یہ اصول کارگر ہوتے تو ابو بکر صدیق، عمر فاروق کو خلیفہ قطعاً نہ مقرر فرماتے اور نہ ہی عمر، عثمان کو اور نہ ہی علی المرتضٰی، حسن المجتبیٰ رضوان اللہ عنہم کو اور تاریخ گواہ ہے جونہی یہ اصول بدلے تو خلافت ملوکیت میں بدل گئی۔مگر سیدنا مخدوم ثانی کی منشاء پوری ہوئی مسند خلافت اُچ میں رہی اور مسند دعوۃ وارشاد حضرت والا محمد غوث اعلیٰ وبالا کے ساتھ ساتھ رہی وہ جہاں بھی گئے۔جس طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا!۔ اللھم أدرِ الحق معہٗ حیث دار ۔اے اللہ حق کو علیؑ کے ساتھ رکھنا چاہے وہ جہاں بھی ہو۔تو فرمان پورا ہوا کہ حق علیؑ کے ساتھ رہا وہ جہاں بھی رہے۔مدینہ کو چھوڑ کر کوفہ کو دارالحکومت بنایا تب بھی حق علی المرتضٰی کے ساتھ ہی رہا۔حالانکہ تاریخ کا یہ بہت بڑا فیصلہ تھا۔اور اس وقت کئی

Marfat.com

اصحابہ کبار بھی بقید حیات تھے کسی نے آپ کو اس امر سے منع نہیں کیا۔[۲]

(۱، ترمذی، ۲ جذب القلوب)

دوسری ہجرت اور ظہور کرامات

جب آپ اُچ سے محرومی اور کسمپرسی کی حالت میں چل دیے تو یقیناً ایسی ہی حالت ہوگی جب سرکار دو عالم ﷺ کی مکہ کو چھوڑتے وقت تھی۔ اور اس طرف منہ کر کے فرما رہے تھے۔ کہ اے مکہ! تو اللہ کے تمام شہروں سے مجھ کو عزیز ہے اگر تیرے فرزند مجھے مجبور نہ کر دیتے تو میں تجھے چھوڑ کر کہیں نہ جاتا۔

ایک طرف تو آنجناب کے خدوخال اپنے نانا نبی ﷺ سے اسقدر ملتے ہیں کہ آپ عکس جمال نبویہ ﷺ نظر آتے ہیں اور دوسری جانب اپنے دادا غوث اعظمؓ کے ساتھ احوال کی اتنی مشابہت ہے کہ پرتو کمالِ غوثیہ ہیں۔ ادھر پنجاب کے کئی اضلاع .....ساہیوال اوکاڑہ، جھنگ، فیصل آباد، لاہور، قصور اور شیخوپورہ کے عوام الناس آپ ہی کو غوث اعظم سمجھنے لگے ہیں۔ ایک طرف آپکا یتیم پیدا ہونا پیدائش کے بعد والدہ کا بچھڑ جانا ساری ذمہ داری دادا کا سنبھالنا یہی پہلو تو ہیں جو عکس جمال نبی ﷺ ہیں جبکہ اچ اور مدینہ کی فضا میں اتنی یکسانیت ہے کہ اسکو اہل درد ہی محسوس کر سکتے ہیں۔ اور دوسری طرف ۹ سال کی عمر میں تحصیل تعلیم و تربیت کیلئے گھر سے نکلنا اور مسلسل چالیس سال تک مجاہدات و ریاضات کی کٹھن زندگی بسر کرنا، یہ تمام تر پہلو غوث الثقلین کی حیات مبارکہ کے ہیں۔

اس وقت سیدنا کے پاس دادا کے تبرکات میں سے ایک جُبّہ عصا، عمامہ اور تسبیح تھی۔ چند فتنہ پرور لوگوں نے وہ تبرکات بھی چھیننا چاہے تو حضرتِ بالا نے رُک کر فرمایا!۔ اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو سنو!۔ میں اپنا فیصلہ اللہ کے ہاں چھوڑتا ہوں مگر اللہ کے فیصلے میں دخل

Marfat.com

اندازی نہ کرنا ورنہ تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔ یہ کہہ کر آپ نے اپنا عصا مبارک زمین میں گاڑ دیا اور اس پر جُبّہ، عمامہ اور تسبیح رکھ دی۔ اور ذرا فاصلے پہ کھڑے ہو گئے۔ اور فرمایا!۔ کہ اگر میری طرف آنا چاہتے ہو تو آؤ ..... !

سقانی الحب کاء سات الوصال

فقلت لخمرتی نحوی تعالي

..... تو عصا جھٹ زمین کو چیرتا ہوا آپ کی طرف چل پڑا بالکل اسی طرح جس طرح سید لولاک ﷺ کی خدمت میں درخت اپنی جڑوں سمیت چلا آیا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر دشمن دنگ رہ گئے اور تائب ہو کر واپس لوٹے اور آپ ان تبرکات کو سینے سے لگائے لاہور پہنچے۔ (اس واقعہ میں اہل ذوق ووجدان کیلئے لطیف رمز پوشیدہ ہے)

دوسری شادی

پہلی شادی کو ۵ سال گذر چکے تھے۔ ابھی کوئی اولاد نہ پیدا ہوئی تھی۔ تو حضرت کی پہلی زوجہ بی بی وڈی سائین نے آپ کو عقد ثانی پر آمادہ کر لیا۔ اور خود ہی رشتہ تلاش کیا۔ ان دنوں آپ کے چھوٹے دادا سید عبداللہ ربانی کی اولاد لاہور مقیم تھی۔ اور سید اسمٰعیل بن عبداللہ ربانی بن مخدوم اوّل بندگی محمد غوث اُچوی جلبی کی دختر کا رشتہ طلب کیا۔ شادی ہوئی اس وقت آپ کی عمر ۳۰ یا ۳۱ برس تھی۔ چار اولادیں ہوئیں تمام اولاد نرینہ تھی کوئی صاحبزادی نہ تھی۔ سیدۃ کا نام غلام فاطمہ عرف خاتون بنت سید اسمٰعیل تھا۔ (*شجرۃ الانوار*)

نوٹ:۔ چھوٹے تینوں صاحبزادے لاولد رہے۔ سلسلہ اولاد صرف سید عبدالقادر ثالث المعروف جیون شاہ سے چلا۔ انکی اولاد کا ذکر ہم آئندہ صفحات میں دوبارہ کریں گے۔

☆☆☆

Marfat.com

شیخ داؤد شیر گڑھی

آپ مرید تو مخدوم عبدالرزاق بن سید عبدالقادر ثانی اُچوی کے تھے۔ یہ آپ کے بارے میں چند روایات زبان زدعام ہیں۔ کہ آپ چند دن یا چند ہفتے یا چند ماہ وسال جناب بالا پیر کی خدمت میں رہے اور فیوضِ قادریہ غوثیہ سے معمور اور بھرپور ہوئے۔

ان روایات پر، موجودہ اور حالیہ حضرات جو اپنے آپ کو حضرت داؤد کی اولاد بتلاتے ہیں۔ یقین نہیں رکھتے بلکہ نہایت بے گانگی اور بے ادبی سے انکار کرتے ہیں۔ تو پھر دوسرے لوگ بھی تو انکو اولاد شیخ داؤد نہیں سمجھتے اور برملا کہتے ہیں کہ یہ غیر سیّد ہیں۔ اور حضرت داؤد نے اگر بالا پیرؒ سے اخذِ فیوض نہیں تو پھر وہ چچا (سید عبدالرزاق) اور بھتیجے (بالا پیر) کے درمیان جاسوسی کے فرائض ادا کرنے آئے ہونگے۔ ورنہ انہیں چونی وال (بہبت پور ملتان) سے شیر گڑھ آنے کی کیا ضرورت تھی؟۔ اور پھر حضرت داؤد کی اپنی اولاد تو تھی ہی نہیں۔ بلکہ آپ کے بڑے یا چھوٹے بھائی جن کا نام رحمت اللہ بن سید فتح اللہ کرمانی تھا، کی اولاد منصۂ شہود پر موجود ہے۔ شاہ ابوالمعالی قادری ان ہی کی اولاد سے ہیں۔ جنکا مزار اور اولاد لاہور میں آج بھی موجود ہے۔

☆☆☆

حاکموں اور شہنشاہوں کی عقیدت

مخدوم ثانی سے جو عقیدت اس دَور کے حاکموں یا بادشاہوں کو تھی وہ سب پر ظاہر ہے۔ اسی نسبت سے وہی شہرت اور عقیدت حضرت والا کے حصہ میں وراثتاً آئی۔ حضرت مخدوم ثانی کا دَور ہندوستان میں طوائف الملوکی کا دور کہلاتا ہے۔ برصغیر ہندو پاک میں قانونی اور قومی حکومت کا فقدان، امارت پر اگرچہ مسلمانوں کا تسلط تھا باقی ہندوستانی اقوام

Marfat.com

میں ایسا دَم خم نہ تھا کہ وہ مسلم قوم کے مدمقابل ہوں۔ البتہ ماتحت یا حلیف ہی تھیں۔

پورے سندھ میں ملتان و اُچ پر بلکہ اس سے آگے ستگھرہ تک لنگاہ حاکمین کا قبضہ تھا۔ ستگھرہ سے آگے لاہور اور پھر سلطنت دہلی پر لودھی حکمران تھے۔ لودھیوں کے مدمقابل مغل نو وارد اور کئی دوسری مسلم قوتیں بھی تھیں۔ لودھی حکومت کا خاتمہ اور مغلیہ سلطنت کا آغاز ہو رہا تھا۔ ادھر شیر شاہ سوری کے حملوں کے باعث لاہور پر خصوصاً جبکہ عموماً سارے ہندوستان پر اس کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ آئے دن اسکے حملے شدت اختیار کرتے جا رہے تھے۔ آخر مغل قوم کا قائد بابر پورے ہندوستان بلکہ بلخ سے لے کر راس کماری کی پہاڑیوں تک مغل سلطنت کا بادشاہ ٹھہرا۔ (دربار اکبری) میر چاکر خان رِند بلوچ حضرت مخدوم ثانی کا مرید تھا اور حضرت بالا کا اتالیق مقرر ہوا۔ جبکہ نواب لنگر خان لشاری کو خود مخدوم ثانی نے محمد غوث بالا پیر کا بیعت کروایا (سو اِنکی نسبت بادشاہوں تک پہ آپ کا چرچا پہنچ چکا تھا) جب ان دو بلوچ سرداروں کا ''بلوچ سلطنت'' بنانے کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا تو لنگر خان آنجناب سے دعائے فتح لے کر بابر کے دربار میں دہلی حاضر ہوا اور ظہیر الدین بابر کا اعتماد بحال کر کے لاہور کا حاکم مقرر ہوا۔ اس کامیابی و کامرانی کے پیچھے وہ اپنے مرشد کا ہاتھ دیکھ رہا تھا۔ تو اس وقت اس نے عرض کیا۔ بادشاہ سلامت بندہ ناچیز کے مرشد اس وقت ستگھرہ تشریف فرما ہیں۔ اور بہ سبب امور سجادگی و وراثتِ اُچ شریف کے خاصے رنجیدہ خاطر ہیں۔ اگر آپ انکی عزت افزائی کیلئے لاہور میں ایک خانقاہ کا اہتمام کریں تو مجھ پر احسان ہوگا۔ اور خود آپ کی سلطنت کیلئے بھی ایک خوش آئیندہ امر ہوگا''۔ تو بادشاہ کو تجویز پسند آئی اور فرمان جاری کر دیا۔ جب لنگر خان واپس لوٹا تو اپنے لئے محلات اور اپنے حلیف بلوچ قبائل کے لئے مکانات تعمیر کروائے اور ساتھ ہی ملحقہ ایک خانقاہ تعمیر کروائی اور حضرت کو وہاں قیام کرنے کی پرزور

Marfat.com

درخواست کی تو آپ نے وہاں رہائش اختیار فرمائی۔اس جگہ کو گذرگاہ لنگر خان کہا جاتا تھا۔ان دنوں مخدوم ثانی بھی لاہور تشریف لائے ہوئے تھے۔آپ نے اس محلّہ کو ''محلّہ رسول پورہ'' کے نام سے موسوم کیا۔ (تاریخ ملتان)

اس ضمن میں ایک اور واقعہ اس طرح بھی بیان کیا جاتا ہے کہ لنگر خان نے ایک بار دربار بابری میں کہا کہ میرے پیرومرشد خلافت اچ کی دستار وسجادگی سے خاصے نالاں ہیں انکا فیصلہ بادشاہ سلامت خود فرمائیں،۔تو شہنشاہ نے آپکے چچا سید عبدالرزاق کو دربار میں طلب کیا، آپ بھی اسوقت دربار میں موجود تھے جونہی سیدنا عبدالرزاق دربار میں داخل ہوئے تو آپ ادباً کھڑے ہوگئے اور کرسی چچا کے ادب کی خاطر خالی کردی.....اسپر شہنشاہ نے لنگر خان سے کہا :''یہ آل رسول ﷺ ہیں اور بھتیجے نے کرسی خالی کرکے چچا کہ حق میں خود ہی فیصلہ دے دیا اب ہم یا تم کیا فیصلہ کریں۔تم انکو لاہور میں ایک جاگیر پیش کردو.....سو ،اسنے ایسا ہی کیا۔واللہ اعلم بالصواب

مخدوم عبداللہ سلطان پوری

شیر شاہ سوری کی مغلیہ سلطنت سے بغاوت کے ساتھ ہی اس شخص نے بھی اپنی وفاداریاں بدل لیں اور شیر شاہ سوری کا درباری عالم ٹھہرا۔یہ حضرت بالا پیر سائیں کے فضل و کمال اور قدرومنزلت سے پوری طرح واقف تھا اور آنجناب کے ساتھ مغل بادشاہوں کی عقیدت کو بھی جانتا تھا۔شیر شاہ سوری کی طرف سے بطور سفیر آیا تا کہ حضرت کو اسکی پشت پناہی پر آمادہ کرسکے۔آنجناب ستگھرہ میں موجود تھے۔آپ حضرت اعلی و بالا اسکی طوطا چشمی اور امراء کی حاشیہ نشینی سے واقف تھے۔اس نے عرض کیا حضرت! بادشاہ شیر شاہ سوری آپ کی ملاقات کا مشتاق ہے اور اس نے آپکو بصد ادب واحترام یاد کیا ہے۔آپ گویا ہوئے۔''کہ

Marfat.com

فقیر کو اسکی ملاقات کا کوئی شوق نہیں''۔ ذرا کھسیانا ہو کر دوبارہ بولا۔ حضرت اگر آپ وہاں نہیں جاتے تو بادشاہ یہاں آجائے گا۔ تو آپ نے ناگواری سے دوبارہ جواب دیا: کہ اگر بادشاہ یہاں آیا تو ہم یہاں سے کسی اور جگہ چلے جائیں گے۔ خدا کی زمین کونسی تنگ ہے۔ جواب سن کر شرمندہ ہوا اور پھر تیسرا حیلہ اختیار کیا۔ کہ حضور بادشاہوں سے ملنے میں کیا حرج ہے؟ نام و نمود اور شہرت میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔۔۔ آپ نے قدرے جلالت سے جواب دیا۔ کونسا نام؟ اور کونسی شہرت؟۔۔۔ میرا نام تو غوثِ اعظم محبوب سبحانی کے جوتوں کے تلووں پہ لکھا ہے جوں جوں وہ عالم بالا پر چلتے ہیں اور وہ نام گھستا ہے، اسی قدر دنیا میں چمک اُٹھتا ہے۔۔ اللہ اکبر۔

غوثِ صمدانیؒ کے فرزند اور عبدالقادرؒ ثانی کے دلبند کی شان بے نیازی کے سامنے مخدوم الملک دم بخود ہو کر رہ گیا۔ خاموشی سے واپسی کی راہ لی۔ اور شیر شاہ سوری کو آنجناب کے احوال سے آگاہ کر کے باز آنے کی تلقین کی۔

شیر شاہ سوری اور سلیم شاہ سوری بھی آپکی شہرتِ ولایت و خاندانی وقار و نجابت سے خاصے متاثر تھے۔ مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری عالم بے بدل۔ حلقہ بگوش امراء..... دریافت اور مراعات یافتہ شیر شاہ سوری اور شاہانِ مغلیہ۔ غالباً یہ شخص اورنگ زیب عالمگیر کے عہد تک زندہ رہا اور شیخ الاسلام کے عہدہ پر۔ اسکو اکثر اولیاء اللہ اور صاحب حال بزرگوں سے اختلاف ہی نہیں بلکہ حاسدانہ بیر تھا۔ (رودِ کوثر)

ان حالات کے باوجود آپ اپنی خاندانی روایت کو قائم رکھتے ہوئے بادشاہوں کی قربت اور رفاقت سے دور رہے۔ جس طرح سیدنا غوث الاعظمؓ نے خلفاء عباسی کو کبھی خاطر میں نہیں لایا۔ اکثر وہ آپکے آستانہ اقدس پر حاضر ہوتے اور جس طرح مخدوم ثانی نے

بادشاہوں کی درباری مراعات کو قبول نہیں کیا، بعینہٖ آپ نے بھی اس روایت کو جاری رکھا۔ اور بادشاہ اس بے نیازی سے بے حد حیران تھے۔

بابر کے انتقال کے بعد ہمایوں مسند آراء ہوا۔ ہمایوں نے شیر شاہ سوری سے شکست کھائی تو ہمایوں واپس ایران جانے کے ارادہ سے میر چاکر کا مہمان ہوا اور مدد طلب کی۔ اس سے پہلے لنگر خان کی وساطت سے آپکا چرچا اس تک تھا اور پھر میر چاکرِ اعظم کی معرفت ستگھرہ (صد گھرہ) میں حضرت محمد غوث بالا پیر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت ستگھرہ کے نواحی جنگل میں محوِ ریاضت وعبادت تھے۔

میر چاکر نے سفارش کی تو ہمایوں عرض گذار ہوا: کہ حضور! آپ اگر میری راہنمائی کیلئے میرے ساتھ رہنا پسند فرمائیں تو بندہ ممنونِ احسان ہوگا اور دہلی دارالحکومت میں آپ کے لئے ایک محل اور خانقاہ تعمیر کی جائے گی جس کے تمام تر اخراجات حکومتی خزانہ کے ذمہ ہوں گے۔ تو حضرت نے ایک روکھی سوکھی روٹی نصیر الدین محمد ہمایوں کو بطور تبرک دی اور فرمایا کھاؤ۔ ہمایوں نے جب یہ روکھی سوکھی روٹی کو چبانے کی ناکام کوشش کی تو جَو کی روٹی اسکے گلے میں اٹک کر رہ گئی۔ آپ نے فرمایا!۔ جس طرح بادشاہ ہمارا کھانا نہیں کھا سکتے اسی طرح ہم بھی بادشاہوں کا دیا نہیں کھا سکتے، فقیر اپنے حال میں یہیں مست (ٹھیک) ہے"۔ (مورخین نے اس روایت کو تحریف کرنے کی یونہی ناکام کوشش کی ہے یا سمجھ نہیں پائے اللہ ہی بہتر جانتا ہے)۔

ہمایوں نے آدھی روٹی بہ مشکل کھالی اور باقی کے متعلق عرض کیا کہ پھر کھالوں گا تب آپ نے میر چاکر کو فرمایا: خان اعظم ! ہم نے تو تمہارے بادشاہ کو پوری سلطنت عطا کی تھی۔ اس نے خود ہی آدھی قبول کر لی اور آدھی آئندہ پر رکھ چھوڑی۔ پھر فرمایا: "اب واپس لوٹ جاؤ۔ جب دوبارہ ہندوستان آؤ گے تو باقی آدھی سلطنت بھی تمہاری ہوگی"۔ انشاءاللہ!

Marfat.com

ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثها من عبادی الصالحون (سورۃ الانبیاءؑ) کے تحت اللہ ہی اس زمین کا واحد اور حقیقی مالک ہے، اسکی ظاہری ملکیت جسکو چاہے عطا کرے خواہ کسی فاسق کو، مگر درحقیقت یہ زمین اور جنت کی زمین اسنے اپنے نیک بندوں کو وراثت فرمائی ہے۔ وہ اسمیں جسطرح چاہے تصرف فرمائیں.....اسی لیے وہ جسکو چاہے عطا فرمائیں اور جس سے چاہے چھین لیں۔اس ضمن میں اولیاءاللہ کے بے شمار واقعات ملتے ہیں۔

ہمایوں نے دعائے خیر کے لئے عرض کی اور دعا کے بعد رخصت چاہی بعض اقوال کے مطابق اس نے بیعت کر لی اور بعض اقوال کے مطابق اس نے بیعت کیلئے عرض کی؟۔ آپ نے اسکو دوبارہ آمد پر موقوف رکھا صرف دعائے خیر دے کر رخصت عطا فرمادی۔اسکے بعد ہمایوں کی آپ کے چچازاد بھائی مخدوم حامد جہاں بخش کی خدمت میں حاضری بھی ثابت ہے۔واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆

منزل مقصود (وجہ سکونت ستگھرہ)

آپ نے تمام ہندوستان کی سیاحت مسلسل جاری رکھی۔ناگور۔دہلی۔اجمیر۔ قندھار۔بالاکوٹ۔ملتان۔لاہور۔مگر ستگھرہ میں میر چاکر خان کی نسبت آپکا خصوصی آنا جانا تھا۔

ایک دن تھک ہار کر کہیں دُور کے سفر سے آئے تھے تو ستگھرہ کے شمال مشرقی جنگل جس میں ''وَن''یعنی پیلو،اور ''کریر'' جسکو پنجابی میں کری بھی کہتے ہیں، کے بے انتہا درخت تھے ایک ''وَن'' کے درخت کے نیچے آرام فرما ہوئے تو ایک چرواہا اپنے مویشی چرا رہا

Marfat.com

تھا۔اس کا کھانا گھر سے آیا۔ پہلے بھی آنجناب کی شخصیت سے واقف تھا اور اس نوعمری میں آپ کے مقام سے بے حد متاثر تھا۔اس سے پہلے آپ نے اس کا کھانا کبھی قبول نہیں فرمایا۔ ہمیشہ بڑے شفیقانہ طریقے سے لوٹا کر دعائے خیر کرتے۔

اس دن جب اس نے کھانا سامنے رکھا تو دودھ اور جو کی روٹی اور دوسرے قول کے مطابق لَسّی اور مکئی کی روٹی تھی۔ دادا کی وصیت کی دو نشانیاں پوری ہو چکی تھیں جبکہ تیسری ابھی باقی تھی۔حضرت نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا تو اس نے عرض کی ؟۔حضرت آج برسوں قبولیت کے بعد پھر ہاتھ روک لیا۔آج تو میری قسمت جاگنے لگی تھی۔اسی اثنا میں اس کی نظر ایک شہد کے چھتے پر پڑی تو اس نے وہ بھی حاضر کیا۔تب آپ نے الحمدللہ کہہ کر کھانا تناول فرما لیا۔دادا کی وصیت کی تینوں نشانیاں پوری ہو چکی تھیں۔سو آپ نے اسی جنگل میں مستقل سکونت اختیار کی۔اسکے بعد سیر و سیاحت کو بھی ترک فرمایا۔اور ذکر الٰہی میں مشغول ہو گئے اور تادمِ حیات یہیں مقیم رہے۔

☆☆☆

نصیرالدین ہمایوں کی دوبارہ واپسی

ہمایوں نے ایران پناہ لی وہاں اپنی کھوئی ہوئی طاقت بحال کر کے دوبارہ ہندوستاں کا ارادہ کیا تو ایران کے شاہ ''فہماست (فہماسپ یا طہماسپ)'' نے ہمایوں سے ''آلِ رسول ﷺ'' کی محبت کا اقرار لے کر دس ہزار قلزباشوں کی فوج بطور کمک ساتھ روانہ کی تا کہ حکومت ہندوستان دوبارہ حاصل کی جا سکے۔ادھر قندھار کا حکمران مرزا عسکری بھی ہمایوں کا بھائی تھا۔ہمایوں کا ایک اور بھائی ''کامران'' کابل کا حکمران تھا۔جبکہ کاشغر کا شاہ ابوالمعالی ہمایوں کا منہ بولا بیٹا تھا۔اور ہمایوں نے اپنی چھوٹی بہن بھی اسکے نکاح میں دی تھی۔طاقتور

Marfat.com

سردار بھی تھا۔ ہمایوں بحالت مفروری جب سندھ میں ارغونوں سے برسرِ پیکار تھا تو ''بیرم خان'' نے زیارت مکہ و مدینہ کا بہانہ رچا کر محمود شاہ گجراتی سے اخراجات وصول کیے اور اپنی معمولی سپاہ کے ساتھ ہمایوں کو تلاش کرتا ہوا عین حالتِ جنگ میں ارغونوں کے سر پہ آن ٹپکا۔ ہمایوں کو ان تمام امور سے سنبھالا ملا اور اسکے اکھڑے قدم جم گئے اور ہندوستان (سلطنت دہلی و لاہور) پر اسکا پرچم لہرانے لگا۔ واقعہ ۷ محرم الحرام ۹۵۰ھ کا ہے۔ ان حالات سے سنبھلتے ہی ہمایوں کی صحت بگڑنے لگی اس نے نوجوان بیٹے کو چند نصائح کے بعد رخصت کیا۔ اکبر اس وقت ''کلانور'' (گورداس پور کے علاقہ میں واقعہ ہے)، مقیم تھا کہ اس کو شہنشاہ کی رحلت کی خبر پہنچی۔ وہیں اسکی تاج پوشی کی گئی اور وہ تخت ہندوستان پر متمکن ہوا۔ بنیادی طور پر ان پڑھ اور ہٹ دھرم قسم کا آدمی تھا ساری زندگی صحراؤں میں جنگی مہارتیں سیکھنے میں گذری علم و ادب سے یکسر نا آشنا تھا۔ اور ساتھ ہی ساتھ کانوں کا بھی بے حد کچا تھا جس طرح اکثر بادشاہوں کے متعلق مشہور ہے۔ (رود کوثر، تاریخ فرشتہ، دربار اکبری)

☆☆☆

میر چاکر اعظم اور اسکی اولاد کا انجام

میر چاکر ایک بلوچ سردار عربی النسل تھا۔ عہد و وعدہ کی پاسداری اسکی گھٹی میں داخل تھی۔ انتہائی جوانمرد اور بہادر انسان تھا۔ اپنی حیات میں تا دمِ آخر سرکار محمد غوث بالا کا مطیع و فرمانبردار رہا۔ اور مخدوم عبدالقادر ثانی سے کیے گئے تمام وعدے وفا کیے۔ ادھر بلوچ سرداروں کی عادتیں دولت و حکومت کے نشہ میں بدلتی چلی گئیں۔ اس حد تک کہ پالکیوں میں سوار ہو کر مسجد آتے۔ جب تک وہ تمام جمع نہ ہو جاتے مسجد کے امام کو جماعت تک کروانے کی اجازت بھی نہ ہوتی بے شک نماز کا وقت گذر ہی کیوں نہ جائے۔

Marfat.com

ایک دن آپ بوقت فجر ستگھرہ کی مسجد میں تشریف لائے ،یہ نماز کا آخری وقت تھا۔چند منٹ کے توقف کے بعد آپ نے امام کو اشارہ کیا نماز کے لئے تو اس نے عرض کیا۔کہ حضور ابھی بلوچ سردار نہیں آئے میں جماعت نہیں کرواسکتا۔آپ نے پھر حکم دیا کہ جماعت کرواؤ،وقت جارہا ہے۔تو اس نے امامت کروائی۔نماز کے اختتام کے بعد جب میر چاکر کی اولاد (وہ لوگ میر چاکر کے چچازادوں کی اولاد تھے) کے سردار آنے لگے تو امام کو بُرا بھلا کہا آپ کے سمجھانے کے باوجود بھی بدتمیزی پر ڈٹے رہے تو اس وقت آپ نے غیض و غضب کے ساتھ اپنے ہاتھ میں موجود تسبیح کو توڑ ڈالا اور فرمایا!۔دیکھو! نافرمانو تسبیح کا انجام! تم بھی اسکے دانوں کی طرح بکھر جاؤ گے اور کہیں استقامت اور اجتماع نہ رہے گا۔اسی جلالت میں آپ واپس اُسی جنگل میں تشریف لے آئے۔

ادھر میر چاکر کی اولاد (کے حلیفوں) میں ایسی پھوٹ پڑی کہ ایک دوسرے کا گلہ کاٹنے پر تُل بیٹھے اور وہاں (ستگھرہ) سے اس طرح منتشر ہوئے کہ قرب وجوار میں نام تک نہ رہا۔کھرل سرداروں نے انکے قدم نہ جمنے دیے۔آج تک اسی انتشار کی زندگی بسر کررہے ہیں۔

ضلع ساہیوال میں اسکی اولاد کے بچے کھچے خاندان آج بھی موجود ہیں ۔بیشتر واپس بلوچستان چلے گئے ۔اور سرکارؒ کی اولاد کے ساتھ رشتہ بیعت وعقیدت بھی ہے۔مگر اسکے باوجود آپ کی بددعا کا اثر موجود ہے۔کہ اچھے خاصے زمیندار ہونے کے باوجود دوسرے قبائل کی باجگذاری کو ہی اپنے لیے فخر سمجھتے ہیں۔اپنی جمعیت قائم نہیں کرسکے۔(چند افراد اب بھی جو ہمارے مصاحبوں اور عقیدت مندوں میں سے تھے اللہ کے حضور جا حاضر ہوئے جیسے خان غلام فرید خان ولد ولی داد خان مردانہ موضع محمد پور،خان رستم علی ولد فاضل خان

Marfat.com

موضع داد بلوچ، اللہ انکو غریق رحمت کرے اور افتخار خان موضع خان کمال (حال مقیم کنیڈا) اللہ اسے اپنی حفاظت میں رکھے۔

☆☆☆

وصال پُر ملال

آپ نے اپنے آخری ایام سیر و سیاحت کو ترک کرتے ہوئے ستگھرہ کے جنگل میں گذارے۔ان اوقات میں کبھی کبھی آپ لاہور بھی تشریف لے جایا کرتے تھے کہ آپ کی تمام اولاد (صاحبزادے) لاہور میں قیام پذیر تھے۔

انہی دنوں ایک دن بلاوا رب ذوالجلال آ گیا۔اور آپ نے اپنی جان اللہ تعالی کے فرستادہ کے حوالے کر دی۔ یوں یہ شہباز قدس جس کو ادھر پنجاب والے غوث الاعظم سمجھتے ہیں وصال فرما گئے۔ یہ ۵ شوال ۹۵۹ ھ بمطابق ۱۵۵۲ء جمعرات کا دن تھا۔اور اسلام شاہ بن شیر شاہ سوری کا عہد تھا۔آپ کا وصال ''پیلو'' کے درخت (وَن) کے نیچے ہوا اور اُسی جگہ آپ اِس وقت آرام فرما ہیں۔ بوقت رحلت آپ کے پاس کوئی نہ تھا۔اس وقت ستگھرہ میں چند بلوچ عقیدتمند تھے جن کو علاقائی لوگوں نے خبر کی۔ پھر لاہور آپ کی اولاد کو خبر کی گئی تمام حضرات موقع پر پہنچ گئے۔آپ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح زندوں کی سی صورت لئے لیٹے رہے۔جس طرح سلیمان علیہ السلام رحلت کے باوجود عصاء نبوت پر ٹیک لگائے نہ جانے کتنے دن کھڑے رہے۔تجہیز و تکفین کے بعد اولاد امجاد دوبارہ لاہور واپس لوٹ گئے۔

☆☆☆

Marfat.com

مزار پُرانوار

آپ کا مزار پرانوار کئی سالوں تک کچا بغیر گنبد کے رہا۔ جس جگہ سرکارؒ کا مزار پُر انوار ہے۔ اس قبرستان میں آپ کے مزار مبارک سے پہلے کوئی قبر نہ تھی۔ پہلی مزار مبارک آپ کی تعمیر ہوئی۔ اس کے بعد باقی قبریں بنیں اور قبرستان کا وجود ہوا۔

ادھر شہنشاہ ہمایوں جب ہندوستان دوبارہ لوٹا تو ہندوستان اسکے زیرِ اثر تھا۔ واپسی پہ آکر آپ کی خبر گیری کی تو معلوم ہوا کہ آپ کا وصال ہو چکا ہے۔ اس پر اس نے آپ کا روضہ بنوانے کا عزم جتلایا۔ اور ساتھ اکبر کو وصیت کی کہ اگر قدرت مجھے مہلت نہ دے تو تم اس کارِ عظیم کو اپنے اوّلین فرائض میں سمجھنا۔ وہ میرے شیخ الطریقت تھے اور سارا فیض انکی دعاؤں کا ہے۔ ہمایوں کی وفات کے بعد اکبر کئی سالوں تک اپنے جنگی حریفوں سے برسرِ پیکار رہا۔ جب ذرا امن ہوا تو آپ کے مزار کی تلاش میں نکلا۔

ستگھرہ پہنچ کر مزار کی نشاندہی کروائی کام شروع ہو گیا بادشاہ کا حکم تھا اور شاہی خزانہ کا پیسہ، کاریگر دن رات ایک کر کے کام میں لگے رہے اور مزار کچھ ہی عرصہ میں گنبد کے قریب پہنچ گیا۔ اس لمحے اکبر کو خیال آیا کہ واللہ اعلم، یہ مزار اسی بزرگ کا ہے بھی یا نہیں۔ اس نے یہ بات اپنے مصاحبوں سے بھی کی کہ خیر ہم نے تو ایک لاوارث مزار کو بنوا دیا، انہی کا ہو یا کسی اور کا اپنے باپ مرحوم کی وصیت پوری کی۔ ادھر اسکی یہ بات کرنا تھی کہ رات خواب میں آپؒ جلالت افروز ہوئے اور فرمایا! ''ہم لاوارث نہیں ہیں''۔ بادشاہ گھبرا کر اُٹھا اور اپنے تحت الشعور کا وہم سمجھ کر دوبارہ سو گیا۔ دوسری مرتبہ پھر یہی واقعہ ہوا۔ بادشاہ پھر پانی پی کر چند منٹ ٹہلنے کے بعد سو گیا۔ تیسری مرتبہ آپ نے گرجدار آواز میں فرمایا!۔ ''ہم کہہ رہے ہیں ابھی اپنی یہ ٹھیکریاں اٹھاؤ اور دفعہ ہو جاؤ''۔ اور ساتھ ہی تعمیر کردہ دیواریں گرنے کی خوفناک آواز

Marfat.com

نے ایک بادشاہ نہیں، سارے لشکر کو خوفزدہ کر دیا۔ دیکھا تو مزار کی عمارت گر چکی تھی۔ اور چار دیواری بھی شق ہوگئی۔ اکبر اس طرح خوف زدہ ہوا کہ نہ لشکر کی خبر لی اور نہ کسی محافظ کی، اکیلا گھوڑے پر سوار ہوا اور لاہور کی بجائے بسمت مغرب بھاگ کھڑا ہوا تھوڑی دور جا کر حواس بحال ہوئے تو پیچھے سے چند مصاحب بھی آ ملے۔ ان کو سارا ماجرا سنایا۔ رات اسی ٹیلہ پر گذاری اسکے نشانات آج بھی وہاں موجود ہیں اسی نسبت سے آج تک اسکو "اکبر والا ٹبہ" کہا جاتا ہے۔

اکبر بادشاہ کی تعمیر کردہ عمارت کی اینٹیں آج بھی مزار مبارک کے قریب زمین کی کھدائی کرنے پر نکلتی ہیں۔ جو باریک سچّے کی اور بڑی ہیں اُس زمانے کی یاد دلاتی ہیں۔

پھر کئی سالوں تک مزار اسی طرح رہا۔ کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ آخر کار شیخوشریف کے ولی کامل سیّد سید محمود سائیں بن سیّد سید محمد سائیں بن سیّد حسن بخش المعروف داتا حسنین سائیں نے اس کام کا بیڑا اُٹھایا۔ آغاز ہی میں آپ کا وصال ہوگیا۔ باقی ماندہ کام آپکے بھتیجے سیّد سردار علی بن سید فضل علی شاہ (شیخوشریف) نے انجام دیا۔ یہ عمارت پکی اینٹوں کی تعمیر تھی۔ *(علاقائی روایات)*

موجودہ عمارت ایک ہندو افسر ڈپٹی کمشنر مسٹر پی۔ این۔ تھاپر اور اسکی بیوی (اینگلوانڈین) کی عقیدت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ کہ ایک دن نوچندی (نئے چاند کی پہلی جمعرات) کو ان کا یہاں سے گذر ہوا تو مخلوق کا اس جنگل میں اژدھام دیکھ کر حیرت زدہ ہوئے دریافت کیا تو پتہ چلا صاحبِ مزار موصوف کا عرس ہے۔ یہ دونوں میاں بیوی ہنوز بے اولاد تھے۔ منت مانی کہ اگر آئیندہ سال ہم صاحب اولاد ہو جائیں تو مزار کو پختہ کروائیں گے۔ سو بفضلِ الٰہی اگلے سال انکو اولاد نرینہ ہوئی تو انہوں نے درگاہ کا کام شروع کروایا۔ یہ

Marfat.com

تعمیر ۱۹۳۶ء کو مکمل ہوئی۔

آپ دولت کے ترازو میں دلوں کو تولیں
ہم محبت سے محبت کا صِلہ دیتے ہیں
تخت کیا چیز ہے ؟ اور لعل و جواہر کیا ہیں
عشق والے تو خدائی بھی لُٹا دیتے ہیں

☆☆☆

دربار حضرت بالا پیر امیر قدس اللہ تعالٰی سرہٗ کے ملحق دو قدیم کنویں (کھوہ) اور ایک کھوہی جو کہ مسجد سے ملحقہ تھی، کی روایت قدیم اور ضعیف العمر اشخاص کے ذریعے موصول ہوئی ہے۔ جن کے محلِ وقوع حسبِ ذیل ہیں۔

ا۔ ایک چھوٹی اینٹ کی چنائی والا کنواں جو کہ مسجد غوثیہ کے شمال مغرب واقع تھا۔ اب پاٹ (اکھیڑ، ختم) دیا گیا ہے۔ مشہور ہے کہ یہ کنواں سیّد محمد غوث بن سیّد علی بہادر اجاگر بن سیّد شاہ چراغ گیلانی شیخوشریف نے تعمیر کروایا تھا۔ اسکی تاریخ تعمیر ۱۹۱۸ء ہے۔ اپنے بڑے بیٹے سید اولاد حسن کی پیدائش کی منت ادا کی تھی۔

دوسرا کنواں:۔ دوسرا کنواں جو دربار اقدس کے مشرق میں تھا اور اب پاٹ دیا گیا ہے۔ اونچا پیڑانہ اور رہٹ چکل جوڑہ تھا۔ نسار کی جانب دو حصے تھے۔ زائرین کے پینے، نہانے دھونے کا خانہ الگ تھا اور مال مویشی زائرین کی سواریوں کے لئے الگ خانہ تھا۔ جہاں سب پیاسوں کی ضرورت کا اہتمام تھا، انگریز عہد حکومت میں تعمیر ہوا۔

☆☆☆

عرس مبارک (نوچندی):

حضرت بالا پیرامیر قدس اللہ سرہٗ العزیز کا عرس مبارک ہر ماہ قمری کے عشرہ اوّل میں آنے والی پہلی جمعرات اور جمعہ دو دن ہوتا ہے۔ دیکھنے والی آنکھیں اور سننے والے کان ہی آنے والے زائرین کے اژدھام اور پڑھے جانے والے سلام و کلام کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ہم اگر کچھ کہیں گے تو مبالغہ ہوگا۔ ساڑھے چار صدیوں سے جنگل میں منائے جانے والے اس ماہانہ عرس کے تزک و احتشام کا جائزہ خود دیکھ کر ہی لگایا جاسکتا ہے۔ کہ شہر و دیہات سے الگ تھلگ اور مین لائن سے بھی دُور ہر ماہ مخلوق کا اتنا بڑا اجتماع بغیر کسی اشتہار، اعلان یا انتظام کے ہو جانا اِس کو اگر من شعائر اللہ سمجھا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ہاں عرس کے موقع پر اب اگر کوئی بدنظمی یا بے قاعدگی نظر آئے تو اس کی ذمہ داری محکمہ اوقاف یا اس سے پہلے قابض سجادہ نشینوں حضرات کو قبول کرنی چاہئے۔

ہر ماہ سرکار عالی کے خزانہ میں جس قدر نذرانہ اکٹھا ہوتا ہے شاید محکمہ اوقاف کے شہری مقبوضات میں بھی نہ ہوتا ہوگا۔ لیکن بلا مقصد وہیں خرد بُرد ہو جاتا ہے۔ آج بھی اگر آپ سرکار قدس اللہ کی اولاد میں سے اکابر سادات اور محکمہ کے افسرانِ بالا افہام و تفہیم سے عرس کا اہتمام کریں تو ماہانہ عرس کے علاوہ سالانہ عرس بھی ماہِ شوال میں نظم و ضبط، عمدہ بندوبست اور پُر وقار طریقہ سے منایا جاسکتا ہے۔ اس سے نہ صرف عقیدت مندوں کی روحانی تسکین بڑھے گی بلکہ محکمہ اوقاف کی آمدن میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوگا جو کہ جائز مصارف کا کفیل ہو سکتا ہے۔

☆☆☆

Marfat.com

کشف کرامات

کشف کرامات کے ضمن میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ موقع کی مناسبت سے گاہے بگاہے بیان کردی ہیں۔ ویسے بھی آپؒ کی پیدائش سے لیکر وفات تک تمام زندگی ہی کرامات کا مجموعہ ہے۔ اور آج پانچ صدیاں گزر جانے کے بعد جتنی کرامات آپکے مزار باوقار سے منسوب ہیں اور جو زبان زدعوام خواص ہیں انکا احاطہ کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔

اگر میں اپنے وجدان اور واردات کے حوالے سے بات کروں، تو اس جنگل کا پتا پتا، بوٹا بوٹا، آپ کے روحانی کمالات سے مستفیض دکھائی دیتا ہے۔ جس قدر کیف وسرور کی فضا آج محسوس ہوتی ہے، آپکی حیات میں تو یہاں کا ماحول کہیں زیادہ پُر اَثر اور روح کی بالیدگی کا سامان لئے ہوئے ہوگا.....!!

آپ کی حیات کے لمحات، بیالیس سال کی عمر کو محیط کرتے ہوئے ہمیں بتاتے ہیں کہ آپ نے عمر کا بیشتر حصہ کڑی ریاضت، خاموش عبادت، اور مخلوق خدا کی شفقت میں گذارا۔ فقر وفاقہ کو اختیار ہی نہیں بلکہ پسند فرمایا۔ آپکے شعار کا دارومدار سنت رسول ﷺ کی اطاعت پر تھا۔

تصنیف وتالیف

حضور سیدنا بالا پیر کی حیات مبارکہ میں کسی تصنیف وتالیف کا کوئی ذکر نہیں ملا، نہ ہی کسی خاندانی روایت میں کوئی ذکر ہے۔ اگر تھی بھی تو لاہور میں سکھا شاہی فسادات کی نذر ہوگئی ہوگی۔

Marfat.com

اسکی دو وجوہات میرے فہم ناقص میں آتی ہیں کہ عموما سلسلہ قادریہ اور خصوصا قادریہ گیلانیہ میں مشائخ کرام کی مجاہدانہ زندگی کم وبیش چالیس سال پہ مشتمل ہوتی ہے، سنت نبی ﷺ بھی یہی ہے۔ اور جناب غوث اعظم کی مجاہدانہ زندگی تو تقریبا ساٹھ سال پہ مشتمل ہے۔ جبکہ سیدنا بالا پیر کی کل عمر بیالیس ۴۲ سال ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے بمشکل اپنے اس دور کی تکمیل کی ہی تھی کہ تبارک تعالی کا بلاوا آ گیا۔ اور آپ اس مشن کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔

دوسری بات کہ آپکی تمام تر زندگی سفر اور شورشوں کی نذر ہوگئی۔ جو حالت یتیمی میں پیدا ہوا ہو اور پھر والدہ کا سہارا بھی نہ رہا، ۹ سال کی عمر میں اُچ سے نکال دیا گیا، کچھ عرصہ میر چاکر کی جنگی مہموں اور باقی سفروں میں بیت گیا۔ اُسکی کسمپرسی کا آپ کیا اندازہ کر پائیں گے..... ؟۔

حضرت نظام الدین (مشہور بخطاب استاذ بالا پیر)

حضور کے مزار اقدس کی جنوبی سمت اونچے چبوترے پر ایک مزار واقع ہے جسکے متعلق مشہور ہے کہ یہ آنجناب کے استاذ ہیں۔ ہم ان تمام تر روایات کو ذیل میں بیان کرتے ہیں جو اس ضمن میں مشہور ہیں۔

[۱] یہ مزار میر چاکر خان کے لشکر میں موجود ایک اتالیق اور عالم کی ہے جس کے ساتھ بلوچ سرداروں والا واقعہ پیش آیا اور جناب بالا پیر نے انکو بدعا دی بعد کی زندگی اس بزرگ نے آپ کے ساتھ گذاری۔

[۲] یہ آپکے استاذ مولنا معز الدین ملتانی کے خاندان سے ایک فرد تھا، جب اس خاندان پہ آفت آئی تو کہیں مسافری کی حالت میں دیپالپور پہنچا اور آپ کے ہاں قیام پذیر

ہوا۔

[۳] یہ مزار ایک ہندو کیمیا گر کی ہے جو ستگھرہ کا پرانا رہائشی تھا اور جناب کے ساتھ حاسدانہ مخاصمت رکھتا تھا اور مسلمانوں کو بدراہ کرتا ، بعد میں جناب کے اخلاق عالیہ سے اسقدر متاثر ہوا کہ مسلمان ہوکر آپکی تربیت میں آ رہا اور فیض یاب ہوا۔

[۴] یہ مزار ایک علاقائی چور کی ہے جس نے آپکے مزار سے چادر چُرالی اور اندھا ہوگیا پھر تائب ہوکر آپ کی توجہ کا مرکز بنا اور عنداللہ مرتبہ پایا۔

پہلے پہل یہاں کچی قبر تھی بعد میں مخدوم ضیاء الدین (دیپالپوری) کی وصیت پر انکے بھتیجے سید اصغر علی شاہ نے موجودہ تعمیر کروائی تاریخ تعمیر ۲۳ اپریل ۱۹۶۶ء بمطابق محرم الحرام ۱۳۸۶ھ ہے۔

ایک گروہ اسکے خلاف ہے اور بعض اوقات نازیبا کلمات بھی کہتا ہے۔ ہم صرف یہ عرض کرتے ہیں کہ شاید مخدوم ضیاء الدین کو کوئی سینہ بسینہ روائت پہنچی ہو جسکو انہوں نے عملی جامہ پہنایا۔ بفرض محال اگر کسی چور کی بھی ہے، تو یہ آستانہ ہی ایسا جہاں چور بھی آئے تو مقام قطبیت تک پہنچ جائے دیکھیے یہی واقعہ جناب غوث اعظم کی حیات مبارکہ میں کہ ایک چور کو آپ نے مقام قطبیت پر فائز کر دیا۔ (قلائد الجواہر و بہجۃ الاسرار)

بہرحال ہم اس نتیجہ پہ پہنچے ہیں کہ یہ مزار کسی مشرک یا فاسق کا نہیں ورنہ یوں درود و سلام کا مرکز نہ بنتا کیونکہ اللہ تعالی کسی بدعقیدہ کو یہ مقام عطا نہیں فرماتا..... دیکھئے یزید کی قبر ! کہ اموی حکومت کے عہد طویل کے بعد بھی اسکو وہ مقام نہیں ملا جو ایک خلیفہ کا ہونا چاہئے۔ کیونکہ یہ فیصلے اللہ تعالی خود فرماتا ہے۔ یہ مزار بھی ایسے ہی کسی شخص کا ہے جسکو آپؒ کے ساتھ نسبت خاص ہے۔ جن پہاڑیوں نے حاجرہؑ کے قدم چومے وہ شعائر اللہ ہیں جو اونٹنی صالحؑ

Marfat.com

کے ساتھ نسبت رکھے وہ ناقۃ اللہ ہے اسی طرح جو شخص بالا پیر کے ساتھ نسبت خاص رکھے وہ ولی اللہ نہیں تو کیا ہے۔ صلحاء و کاملین سے روایت ہے کہ ''صدق مقال اور اکل حلال ہی ولایت کی کنجی ہے'' شاید کسی خوش نصیب نے حضور کی کسی ایسی بات کو اپنایا ہو اور عنداللہ ابرار ومقبولان بارگاہ میں نام لکھوایا ہو۔

مولف کی ایک رائے یہ بھی ہے کہ تمام روائیتں اپنی اپنی جگہ درست اور صحیح ہیں خواہ مزار کے محل وقوع کے ساتھ منسلک و منطبق ہوں یا نہ ہوں۔ البتہ ان روایات کی روشنی میں صاحب مزار کو حضور بالا پیر کا استاذ کہنا بھی بے ادبی معلوم پڑتا ہے۔ اور ایک تلخ بات منہ پہ آ ہی گئی کہ جتنا نقصان ایسی روایات کو درگاہ کے سجادہ نشینون اور مجاورں کے درمیان چپقلش نے پہنچایا شاید ہی کسی چیز سے پہنچا ہو۔

آپ کے اساتذہ و شیوخ

آپ کے اساتذہ وشیوخ میں چند نام ملتے ہیں، جو پایہ تحقیق کو پہنچتے ہیں ممکن ہے ان کے علاوہ بھی آپ نے کسب فیض کیا ہو۔

(۱) سید عبداللہؒ بانی بن سید محمد غوث اچوی۔ (آپکے چھوٹے دادا)

(۲) مولٰینا عبدالرحمٰن جامیؒ

(۳) مولٰینا غلام عبدالقادر (فقیر قادریؒ)

(۴) مولٰینا قاضی معزالدینؒ ملتانی

آپ کے خلفاء و تلامذہ

آپکے خلفاء میں آنجناب کے تمام صاحبزادے خصوصا سید عبدالقادر الثالث اور

Marfat.com

باقی خلفاء جو ہم عصر بھی تھے انمیں یہ نام زیادہ مشہور ہیں۔ حافظ شیخ اسماعیل مزار چک نمبر 29-GD ضلع اوکاڑہ، حافظ سید محمود بخاری مزار موضع بگیانہ اوکاڑہ، شاہ سخی سیدن (مزار موضع کریلا فیصل آباد) اور میاں ملنگ جن سے دریائے راوی کا مشہور پتن بھی منسوب ہے مزار بالکل دریائے راوی کے کنارہ پر واقع ہے۔ مگر ان سے سلسلہ آگے نہیں چل سکا کہ انہوں نے آبادیوں کی بجائے جنگلوں میں زیادہ وقت گزارا۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی (سندھ) نے اویسیہ خرقہ حاصل کیا۔ کہیں آپؒ کے بچپن میں وہ اُچ شریف آئے تھے تب آپ اپنے دادا کی گود میں کھیل رہے تھے، انہوں نے آپکے دست مبارک کو چوما اور مخدوم ثانی سے عرض کیا کہ میں اس معصوم کے دست حق پرست پر بیعت توبہ کرتا ہوں، بعد میں انکا یہ تصور پختہ رہا البتہ ملاقات ثابت نہیں۔

سلسلہ فیض آپکی اولاد سے ہی پھیلا۔۔ جبکہ امام حیدر بخشؒ کا سلسلہ سب سے زیادہ پھیلا، شیخوشریف، دیپالپور، سلطان ہاتھی وان میرک شریف، سلسلہ قطبیہ پیر محل شریف، قادر بخش کمالیہ، پیر شیر محمد فتح پور، کھرپیڑ شریف، دہڑ شریف اور منگانی شریف اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

ہم عصر مشائخ کرام

آپ کے ہم عصر مشائخ کرام میں آپ کے سگے چچا سید عبدالرزاق اچوی، دادا کے بھائی سید عبداللہ ربانی اور مبارک حقانی، انکے علاوہ مخدوم سید حامد جہاں بخش چچازاد بھائی، سید داؤد بندگی کرمانی شیر گڑھی اور سید بہاءالدین بہاول شیر قلندر گیلانی حجرہ شاہ مقیم ہیں مؤخر الذکر خانوادہ رزاقیہ گیلانیہ سے ہیں صاحب تصرف بزرگ گزرے ہیں روایت ہے۔ سید داؤد بندگی اپنی کسی خطا کے سبب سے حضور بالا پیر سائیں کے زیر عتاب تھے۔ اور

Marfat.com

گوشہ نشین ہو گئے ملنا جلنا بھی ترک کر دیا اسی دوران سید بہاول شیر قلندر، شیر پہ سوار ہوئے ہاتھ میں سانپ کا کوڑا پکڑا اور شیر گڑھ آ گئے، جب حضرت بندگی نہ ملے تو فرمایا: ''مرغی کڑک پہ آئی ہوئی ہے خدا جانے کب اُٹھے، ہم تو چلتے ہیں، ہم تو اسکی مشکل آسان کرنے آئے تھے''۔ اب یہ مشکل کسی دوسرے شیر سے حل کروالے۔ حضرت کا اشارہ حضور جناب بالا پیر کی جانب تھا۔

سلسلہ عالیہ چشتیہ مہارویہ کی مسند پر اسوقت حضرت محمد حسن گجراتی جلوہ افروز تھے۔

ہمنام مشائخ کرام

سیدنا محمد غوث بالا پیر سائیں کے ہمنام مشائخ میں شاہ محمد غوث قادری لاہوری (م ۱۱۵۲ ھ)، شاہ محمد غوث قادری پشاوری اور سید محمد غوث گوالیاری (۱۵۶۲ء) شامل ہیں۔ ان تمام حضرات کا تعلق بھی سلسلہ رزاقیہ گیلانیہ سے ہے۔ اکبر اعظم کا درباری سنگیت کار میاں تان سین انہیں محمد غوث گوالیاری کی دعا کا نتیجہ تھا اور آپؒ ہی کے دست حق پرست پر مسلمان ہوا۔

تاریخ کے جھروکوں سے

وہ علاقہ جہاں سیدنا بالا پیرؒ کی پیدائش ہوئی یعنی اُچ یہ ملتان کے زیر نگیں سمجھا جاتا تھا۔ اسکی کوئی بھی باقاعدہ یا مستقل تاریخ نہیں ملتی۔ اسکا آغاز محمد بن قاسم سے ہوتا ہے۔ اسکے بعد سلطان محمود غزنوی کے عہد تک اسکی تاریخ بالکل خاموش ہے۔ البتہ یمینی کی تاریخ سے اتنا ثابت ہے کہ محمود نے قرامطہ کو شکست دے کر ملتان پر قبضہ کر لیا جب اسکی حکومت زوال پذیر ہوئی تو قرامطہ نے دوبارہ قبضہ کر لیا۔ اسکے بعد سلطان معز الدین محمد سام نے

Marfat.com

ملتان پہ تسلط جمالیا۔ ۸۴۷ھ تک یہ شاہان دہلی کے زیر اثر رہا بعد میں طوائف الملوکی کا دور شروع ہوا۔

آخر اہل ملتان نے تنگ آ کر باہمی رضامندی سے شیخ یوسف چشتی کی حکمرانی کا اعلان کر دیا انکے نام کا خطبہ پڑھا اسکے بعد ایک افغانی قبیلہ (لنگاہ) کے رائے سہرہ نے نہایت مکاری سے یہ حکومت ہتھیالی۔ اور قطب شاہ کے نام سے تخت نشین ہوا۔

(تفصیلات کیلیے حیات الامیر جلد اوّل ص ۶۹ تا ۷۳ ملاحظہ کریں)

قطب شاہ ۸۴۷ھ میں فوت ہوا ذیل میں اسکی اولاد کا نقشہ ہے۔

قطب شاہ لنگاہ

سلطان حسین شاہ بن (وفات ۳۶ صفر ۹۰۴ھ مدت حکومت ۴۳ سال)

سلطان فیروز شاہ

محمود شاہ لنگاہ (م ۹۳۱ھ مدت حکومت ۲۷ سال سلطان حسین شاہ ثانی)

مولف طبقات بہادر شاہی نے غلطی سے محمود اور فیروز کو بھائی لکھا۔ فیروز نا اہل حکمران تھا سو حسین شاہ اوّل نے پوتے محمود کو تخت نشین کروا دیا۔ آنجنابؒ بالا پیر کی ولادت اسی کے دور میں ہوئی۔ محمود شاہ ایک نہایت بیدار مغز بادشاہ تھا۔ حسین شاہ ثانی کی بادشاہت برائے نام تھی اصل قبضہ شجاع الملک بخاری جو محمود شاہ کا داماد اور وزیر سلطنت تھا، اسکا تھا۔ انہی دنوں بابر کے سپہ سالار حسین ارغون نے قبضہ جمالیا اور ملتان تخت دہلی کے ماتحت آ گیا۔ صاحب تاریخ فرشتہ نے ملتان کی تسخیر و تعمیر میں دانستہ جیلانی مخادیم کا ذکر حذف کر کے جانب داری کا ثبوت دیا ہے۔ (اسکی تفصیل ہم جلد اوّل میں دے چکے ہیں۔)

Marfat.com

تخت دہلی

سکندر لودھی بن بہلول لودھی	(۸۹۴ھ/۱۴۸۹ء تا ۹۲۳ھ/۱۵۱۷ء)
ابرہیم بن سکندر	(۱۶۱۷ء تا ۱۵۲۶ء)
بابر کا حملہ	(۲۱اپریل ۱۵۲۶ء)
ظہیر الدین بابر	(۲۱اپریل ۱۵۲۶ء) تا (۱۵۳۰ء)
نصیر الدین ہمایوں	(۱۵۳۰ء تا ۱۵۵۶ء)
شیر شاہ سوری	(۱۵۴۰ء تا ۱۵۴۵ء)
اسلام یا سلیم شاہ سوری	(۱۵۴۵ء) تا ۱۵۵۲ء)

اس ساری بحث سے یہ ثابت ہوا کہ آنجناب کی پیدائش محمود شاہ لنگاہ اور سکندر لودھی.....اور وفات اسلام شاہ سوری کے عہد میں ہوئی۔

آنجنابؒ کا طرہ امتیاز وافتخار

حضور بالا پیر سائیں کا طرہ امتیاز یہ ہے کہ آپ نے مندرجہ بالا شاہان وقت کا دور دیکھا مگر کسی کی درباداری نہیں کی، بالفرض اگر کسی نے دعوت بھی دی تو آپنے نہایت معقول جواب دے کر بے نیازی سے ٹھکرا دی۔ یہی تو اولیاء اللہ کا خاصہ ہے اور بعینہ یہی وطیرہ اولاد علیؓ اور آل نبی ﷺ کا ہے۔ امام علی کرم اللہ وجہہ سے لیکر امام حسنؑ اور جناب غوث اعظم، جناب محمد غوث اچوی سیدنا مخدوم عبدالقادر ثانی اور بلآخر بالا پیر جیلانیؒ تک سبھی کا ایک جیسا رویہ شاہان وقت کے ساتھ رہا۔

Marfat.com

اولاد سیدنا محمد غوث بالا پیرؒ

زوجہ ثانی سیدہ فاطمہ بنت سیّد اسماعیل بن سیّد عبداللہ ربانی کے بطن سے چار بیٹے تولّد ہوئے۔ تین لاولد عبدالرحمٰن، الٰہی بخش، اللہ بخش۔ صرف ایک بیٹے سیّد عبدالقادر ثالث (جیون شاہ) سے اولاد چلی۔ تین صاحبزادوں کی مزارات احاطہ دربار سید داتا شاہ چراغ لاہور میں موجود ہیں۔ جبکہ سید اللہ بخش بنگال چلے گئے اور وہیں مدفون ہوئے۔ محدث دہلویؒ نے انکے ساتھ لاہور میں ملاقات کا حال اخبار الاخیار میں لکھا ہے۔

آپ کے لقب جیون شاہ سے ایک رائے یہ بھی بنتی ہے کہ بالا پیر سائیں کی دوسری اولاد جو لاولد گئی، اُن میں سے سیّد عبدالقادر ثالث ہی زندہ بچے ہوں۔ اس لئے بھی آپ کو لقب جیون شاہ سے یاد کیا جاتا ہو۔ جناب سیّد عبدالقادر ثالث کے دو صاحبزادے تھے ایک ''سیّد عبدالوہاب'' دوسرے سید محمد۔ سید عبدالواہاب کے تین بیٹے تھے۔ سید زین العابدین، سید حامد، کی اولاد آگے نہ بڑھ سکی لہذا سید عبدالرزاق شاہ چراغ لاہوری سے ہی سلسلہ اولاد چلا۔ سید زین العابدین جنکو علاؤالدین بھی کہا جاتا ہے داتا شاہ چراغ کے بڑے بھائی اور مرشد بھی تھے۔

انہیں کیلئے سی حرفی شجرہ طلبیہ میں حسنین سائیں رطب اللسان ہیں :

ج۔ جا بجا زین العابدین بادشاہ شریعت طریقت حقیقت معرفت میں ہمراہ

انکی شادی اپنے دودھیالی خاندان اچ میں ہوئی تھی صاحب شجرۃ الانوار نے سیدہ کا سلسلہ نسب لکھا ہے سیدہ لبیب فاطمہ عرف بوبو بنت سید حامد گنج بخش کلاں بن سید عبدالرزاق اچوی۔ مجھ مولف کو اسکے ساتھ اتفاق نہیں یہاں تسامح ہے۔ بلکہ سیدہ کے والد ماجد کا نام سید حامد گنج بخش بن سید موسی پاک شہیدؒ بن سید حامد جہاں بخش بن سید مخدوم عبدالرزاقؒ تھا۔

Marfat.com

دونوں روایات میں موازنہ کرکے دیکھ لیں۔ایک ہی بیٹا پیدا ہوا سید مسعود جو عالم جوانی میں فوت ہوگیا تو سلسلہ نسب منقطع ہوگیا۔ (شجرۃ الانوار)

اولاد بالا پیرؒ کا سلسلہ فقط آپ کے پڑپوتے داتا شاہ چراغ لاہوری سے چلا۔آپ کے سات بیٹے تھے۔درج ذیل سطور میں ہم انکی اولاد کا تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔

ا۔بڑے سیّد نور شاہ ولی تھے جن کو سیّد نور محمد بھر پور اور سیّد نور محمد غائب بھی کہا جاتا ہے۔شجرۃ الانوار سے لے کر تمام تذکروں میں اور خاندانوں میں یہی روائت ہے۔جو کہ صحیح اور اصل بات ہے۔جو بھی انکے ساتھ سلسلہ اولاد جوڑے وہ دروغ گو اور جھوٹا ہے۔جعلی طریقہ سے انکے ساتھ سلسلہ اولاد جوڑ کر کسی کو کیا ملے گا۔معلوم نہیں۔۔۔،ہوگا کوئی انکے پیش نظر بھی اپنا مقصد.....اور وہ بھی آج ساڑھے تین سو سال کے بعد۔جبکہ اولاد داتا شاہ چراغ کی رشتہ داریوں کی خبر ماضی بعید سے لے کر قریب تک موجود ہے۔اور تمام افراد ایک دوسرے کے شناسا ہیں۔حدیث نبوی ﷺ لیس من رجل ادعی لغیر ابیه وهو یعلمه الا کفر ومن ادعی قوما لیس له فیهم فلیتبو أ مقعده من النار کے مطابق یہ کفر اور باعث جہنم کام ہے۔(بخاری:المناقب)

۲۔سیّد محمود کی اولاد کے متعلق، یہ اخبار ہیں کہ وہ اُچ چلے گئے اور وہاں سلسلہ اولاد بھی چند پشتوں کے بعد منقطع ہوگیا۔تمام کی مزارات بھی مقبرہ قادریہ اُچ میں ہیں۔

۳۔سیّد عبداللہ کی اولاد چلتے چلتے صرف مادینہ رہ گئی اور ان صاحبزادیوں کی شادیاں بھی سیّد مصطفٰی (دوسرے بیٹے) کی اولاد میں ہوگئیں یعنی وہ خاندان بھی اسی خاندان میں ضم ہوکر رہ گیا۔

باقی چار صاحبزادوں کی اولاد موجود ہے۔تین کی اولاد تو دربار شریف کے اردگرد

Marfat.com

پھیلی ہوئی ہے۔اور سارووں کی نہ صرف شناسائی بلکہ رشتہ داریاں بھی ہیں۔

۴۔سیّدا سماعیل کی اولاد پوری کی پوری شیخوشریف میں ہے۔

۵۔سیّد مصطفٰی کی اولاد اس وقت دیپالپور، چک فضل شاہ،نوگھرہ اور جھیرانوالی (گجرات) میں موجود ہے۔

۶۔سیّد نصراللہ کی اولاد بستی کیسہ والے سادات ہیں اور انہی کا ایک خاندان ستگھرہ میں موجود ہے۔جو پیر کرم علی شاہ صاحب کی اولاد کے نام سے مشہور ہیں۔کچھ گھرانے شاہ کوٹ،سرگودھا،کوٹ مومن میں سکونت پذیر ہیں۔باقی سادات گیلانی ستگھرہ سیّد بالا پیرامیر کی اولاد نہیں بلکہ بالا پیرامیر سائیںؒ کے چھوٹے دادا سیّد مبارک حقانی کی اولاد ہیں۔اور یہی خاندان (بستی سیّد غلام قادر) چن پیر پاکپتن میں بھی آباد ہے۔

۷۔باقی رہے سیّد شمس الدین کی اولاد۔۔۔۔یہ لوگ اُس وقت دکن اور پھر قندھار چلے گئے۔تاہم کچھ خاندان واپس بھی آئے جو آزاد کشمیر میرپور،روات،راولپنڈی اور درکالی شریف تحصیل کہوٹہ میں تا حال آباد ہیں۔اگرچہ انکے ساتھ ان تینوں خاندانوں کی رشتہ داریاں نہیں لیکن پھر بھی شناسائی ہے بلکہ ہر ایک خاندان کے علم میں ایک دوسرے سے نسبی تعلق اور رشتہ داری کا جذبہ تازہ ہے۔

(بروایت سید ظفر حسن بن حاجی سید حسن گیلانی حال مقیم چک فضل شاہ دیپالپور)

☆☆☆

سلطان پور

سلطان پور ریاست کپورتھلہ (انڈیا) میں ایک پررونق قصبہ ہے۔جس کے متعلق دو روایتیں ملتی ہیں۔شہنشاہ شاہ جہان حضرت داتا شاہ چراغ لاہوری کا عقیدت مند تھا اس نے

آپ کو ایک جاگیر اور کسی بھی صاحبزادے کیلئے ایک شہزادی کے رشتے کی پیش کش کی۔ مگر آپنے نہایت فراخ دلی سے لوٹا دی کہ" ہم اپنا نسب کسی دوسرے خون سے ملانا نہیں چاہتے"۔ مگر شاہجہان جاگیر قبول کر لینے پر بضد رہا تو آپنے اسکا دل رکھنے کی خاطر قبول کر لی۔ (مشائخ قادریہ)

دوسری روایت کہ اُسنے یہ جاگیر اس شہزادی کو دے رکھی تھی۔ جب آپ نے وہ رشتہ قبول نہ کیا تو چند دن بعد وہ فوت ہوگئی تو بادشاہ نے وہی جاگیر آپکے حوالے کر دی۔ پھر آپکے صاحبزادوں کا وہاں آنا جانا شروع ہوگیا۔ کئی اصحاب کی مزاریں وہیں ہیں۔ سلطان حیدر بخش سائیں کی مزار بھی وہیں ہے۔ سیدنا حسنین وہیں سے ہجرت کر کے شیخوشریف اقامت گزین ہوئے تھے۔

☆☆☆

دربار کی تولیت اور جناب غلام غوث گیلانی قادری

جناب بالا پیر سائیں کی سجادگی وخلافت داتا شاہ چراغ کو منتقل ہوئی اور پھر آپکی اولاد میں سے سید مصطفیٰ گیلانی کی اولاد میں رہی سید مجتبیٰ سے یہ مسند ارشاد سید نا مرشد سادات امام حیدر بخش کو منتقل ہوگئی۔ آپ کو سلطان پور سے لیکر ستگھرہ تک کا نظام اکیلے سنبھالنا پڑتا تھا..... سو آپ نے سلطان پور جاتے ہوئے اپنے رشتے کے بھائی سید غلام غوث جو سید نصر اللہ بن سید داتا شاہ چراغ کی اولاد سے ہیں..... انکے سپرد کر دی۔ سید امام حیدر بخشؒ، سید غلام غوثؒ کے بہنوئی بھی تھے۔ ادھر سلطان پور میں آپؒ نے یہ منصب اپنے اکلوتے صاحبزادے سید حسن بخش المعروف حسنین سائیں کو عطا فرما کر خرقہ خلافت سے سرفراز کیا۔ جب جناب حسنین واپس لاہور اپنی مسند پر تشریف لائے تو حالات بدلے نظر

Marfat.com

آئے .....شاید وہی جو جناب عبدالقادر ثانی کے وصال کے بعد آنجناب بالا پیر کیلئے تھے۔ آپنے بد دل ہوکر سبکو خیر آباد کہا اور شیخوشریف بسایا۔ دوسری شادی اپنے ماموں سید غلام غوث کی صاحبزادی سے کی۔ بعد میں سبھی اولاد بالا پیر نے انکی بیعت کر لی۔ یہ عقیدت ومحبت کے رشتے آج تک بھی قائم ہیں۔ اور شجرہ طریقت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ سید مبارکؒ حقانی کی اولاد میں سے سخی سید مبارک (بستی گیلانیہ المشہور سخیاں) نے بھی اور بعد کے کئی بزرگوں نے اسی سلسلہ میں بیعت کی یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

☆☆☆

رپورتاژ

حال ہی میں سیّد رضوان حیدر (تارا) بن سیّد غلام دستگیر بن سیّد احمد حسن گیلانی نے پشاور کا ایک سفر ترتیب دیا۔ وہیں انکو عقیدتمندوں کی زبانی ایک ''پیر بالا'' نامی بستی کی آواز کان میں پڑی۔ سرکار محمد غوث بالا پیر کے عشق ومحبت نے انکو مجبور کیا کہ وہ اسکی زیارت سے مستفیض ہوں۔ چنانچہ وہ وہاں پہنچے۔ بستی ۳۵ گھروں پر مشتمل ہے۔ جن میں اعوان، پیر خیل اور چند دوسرے پٹھان لوگ آباد ہیں۔ چند صاحبِ اختیار لوگوں سے ملاقات قرار پائی۔ جس کی تفصیلات درج ہیں۔

فیاض الرحمٰن اور ظریف خان کی معرفت ڈاکٹر ذوالفقار علی صاحب ولد فضل الرحمٰن قوم اعوان سے ملاقات ہوئی اور ڈاکٹر صاحب کی معرفت وہاں کے موجود پیر صاحب تک رسائی حاصل ہوئی۔ ایک لمبا حال نما کمرہ تھا جسمیں نشست وبرخاست ہوئی تھی، احباب جمع تھے۔ سیّد رضوان حیدر کے سوالات کے بعد پیر صاحب جن کا نام فرہاد ولد زرعون شاہ ولد پیر احمد شاہ تھا درج ذیل جوابات ارشاد فرمائے۔

Marfat.com

س۔جناب اس بزرگ پیر بالا کا اصل نام کیا ہے؟

ج۔معلوم نہیں۔

س۔قوم کیا تھی؟

ج۔پیر خیل۔ (خیل بمعنی قبیلہ یا خاندان)

س۔مدفن کہاں ہے؟

ج۔معلوم نہیں۔

س۔اس بستی میں آمد کب تھی یا ہوئی؟

ج۔نامعلوم۔

س۔سرکار (بزرگ) کی ولدیت کیا تھی؟

ج۔نامعلوم۔

س۔اس کے بعد وہ بزرگ کہاں اور کس طرف گئے؟

ج۔نہیں معلوم (پھر ہاتھ کے اشارہ بسمت جنوب اشارہ کر کے) ادھر گئے تھے۔

س۔آپ لوگوں کا اس بزرگ سے رشتہ کیا ہے؟

ج۔ہم ان کی اولاد ہیں۔(فرہاد شاہ نے کہا مگر آپ یہ سوالات کیوں کر رہے ہیں۔عرض کی کہ اس بزرگ کی سیرت لکھی جا رہی ہے جس کے لئے مواد درکار ہے)۔

اس پر سید رضوان حیدر نے کہا۔کہ آپ کیسی اولاد ہیں؟.....آپکو اپنے جدِّ امجد کے بارے قطعاً کوئی معلومات نہیں۔اور پھر بھی بضد ہیں کہ انکی اولاد ہیں۔اس پر محفل برخاست ہوئی۔

(آنجناب تاراپیر گیلانی کی اس کاوش پر ہم انکے شکر گذار ہیں اگرچہ مکمل معلومات

تو نہیں مگر بہت کچھ اس بحث سے بھی نکالا جا سکتا ہے۔)

مندرجہ بالا بحث سے مؤلف کے علم میں جو بات آئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ بستی یقیناً حضور فیض گنجور سیّد محمد غوث بالا پیر ستگھروی کے نام نامی سے ہی منسوب ہے۔ چونکہ آپ نے اپنی سیاحت کے دَور میں اس جگہ آتے یا جاتے قیام فرمایا ہوگا۔ اور وہاں کے لوگ بعد میں آپ کی اولاد ہونے کے دعوے دار بن بیٹھے۔ جیسا کہ تاریخ میں یہ المیہ اکثر و بیشتر بزرگوں سے گذرا ہے۔ بلکہ خود آنجناب بالا پیرؒ کی ذات سے بھی ادھر پنجاب میں کئی نام نہاد قبیلے جعلی طریقے سے سلسلہ نسب جوڑنے میں معروف و مجبور ہونے کے ساتھ ساتھ مشکوک و معذور بھی ہو رہے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ انہیں اس مہم میں کامیابی نہ دے)۔ البتہ تاراماہی کی ان معلومات سے یہ ثابت ہوا کہ آپ (بالا پیرؒ) جاتے ہوئے یا آتے ہوئے وہاں قیام پذیر ہوئے۔ جس طرح کہ ''بالاکوٹ'' مانسہرہ میں۔ باقی حال اللہ جل مجدہٗ بہتر جانتا ہے۔ بہر حال ان مقامات کی نسبت آپ سے یقیناً برحق ہے۔ چونکہ آپ نے انہی مقامات پر سیر و سیاحت اور ریاضت کے مراحل طے کیے۔ صوفیاء کے رواج کے مطابق آپ نے یہ سفر تن تنہا طے کئے اور بیشتر جگہوں پر قیام کیا۔ اس لئے وہاں کے لوگوں کو آپ کے ساتھ سلسلہ نسب جوڑنے کے سوا چارہ کار نہ دکھائی دیا۔

ضلع ساہیوال واوکاڑہ میں سادات گیلانی

سیدنا محمد غوث اُچوی کے تین بیٹوں میں سید عبدالقادر ثانی کے دو بیٹے تھے۔ سید عبدالرزاق کی اولاد میں مخادیم اُچ و ملتان شامل ہیں۔ اور سید زین العابدین کے اکلوتے فرزند سیدنا محمد غوث بالا پیر تھے، جنکی اولاد کی تفصیل ہم مندرجہ بالا سطور میں دے چکے ہیں۔ باقی سید عبداللہ ربانیؒ بن محمد غوثؒ اچوی کی اولاد میں تکیہ املی والہ لاہور کے سادات اور

arfat.com

انہی کا ایک خاندان پشاور اور مکھڈ میں مقیم ہے۔ سید مبارکؒ حقانی بن محمد غوثؒ اچوی کی اولاد ستگھرہ، بی بی پور، چک جانی شاہ (اوکاڑہ) اور بستی سخی غلام قادر ضلع پاکپتن میں موجود ہے۔ یہ تمام خاندان سیدنا بالا پیرؒ امیر ستگھروی کے چھوٹے دادوں کی اولاد ہے۔ ان سے قریب ترین رشتہ داریوں کا سلسلہ بھی موجود ہے۔ جبکہ سید عبدالرزاق اچوی کی اولاد کے ساتھ داتا شاہ چراغ کے دو صاحبزادوں کی رشتہ داری کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ تفصیل ہم دے چکے ہیں۔ مخدوم محمدؒ رضا شاہ صاحب گیلانی مخدوم ملتان، شیخوشریف والوں سے دوبارہ رشتہ داری کے خواہاں تھے جو پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔

باقی قد وقامت کے لحاظ سے ان اضلاع میں سادات گیلانیہ قبولہ شریف (پاکپتن شریف) ہیں اور اسکے علاوہ حجرہ شاہ مقیم (اوکاڑہ) یہ دونوں خانوادہ رزاقیہ گیلانیہ ہیں۔ اگر ان اضلاع میں کوئی خاندان رزاقیہ سے ناطہ جوڑنے کی کوشش کرے تو ان کی تصدیق کو مؤثر سمجھا جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب

عرض مؤلف

ویسے بھی خدا جانے کیوں اس امّت کے سر پر بلا وجہ خاندان رسول ﷺ کے ساتھ جعلی نسب جوڑنے کا بھوت سوار ہے یا اسمیں میں کوئی راز پوشیدہ ہے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ لوگ کس زمرہ میں آئیں گے۔

بہرحال ایک بات بڑے وثوق سے کہہ رہا ہوں کہ یہاں پاک و ہند میں بے شمار سادات کے خاندان ہیں۔ بخاری، نقوی، شیرازی، جعفری، گیلانی، واسطی۔ ان خاندانوں میں عموماً اور گیلانی خاندان میں خصوصاً جتنا محتاط نسب حضرت محمد غوث حلبی ثم اُچوی قادری کا ہے شاید ہی کسی خاندان کا ہو۔ آج بھی آپ کی اولاد کے افراد انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔ اور

Marfat.com

اس پر مستزاد یہ کہ کوئی خاندان خواہ کسی حال میں بھی ہے۔ بالکل ہی لاعلمی یا پردۂ غیب میں نہیں۔ جگہ جگہ خاندانوں کی خاندانوں سے ملتی کڑیاں، عقیدتمندوں اور بڑے قبائل کی تصدیق اور بے شمار نشانیاں بطور ثبوت موجود ہیں۔ (الحمدللہ) اور رہیں گی (انشاءاللہ)۔

جی چاہتا ہے کہ اولاد جناب بندگی سیّد محمد غوث اُچوی کی ایک بار پھر مردم شماری یا خانہ و خاندانِ شماری کی جائے۔ یہ کام مشکل ضرور ہے ناممکن نہیں۔ اگر شروع رہے تو کسی نہ کسی طرح ہو ہی جائے گا۔ نہ سہی تو کم از کم جناب عبدالقادر ثانی اُچوی کی اولاد ایک ریکارڈ پر آجائے گی۔ اور اگر یہ امر بھی دسترس میں نہ ہو تو پھر صرف اور صرف جناب بالا پیر امیر گیلانی صدگھروی (ستگھروی) کی اولاد کی نشان دہی تو ضرور ہو جانی چاہئے۔ تاکہ خاندانی تحفظ کا احساس مضبوط اور برقرار رہ سکے۔

☆☆☆

نوٹ

آئیدہ دیے گئے شجرہ جات نہایت احتیاط اور تحقیق سے مرتب کیے گئے ہیں۔ تاہم پھر بھی غلطی کا امکان ہو سکتا ہے۔ اگر کہیں محسوس کریں تو برائے کرم مطلع کریں تاکہ اسکا ازالہ کیا جا سکے۔ باقی ان شجروں کا مقصد صرف خاندانوں کی نشاندہی کرنا ہے' تفصیلات دینا نہیں۔ ہر خاندان کے ایک نہ ایک موجودہ معتبر فرد کا نام درج کیا گیا ہے تاکہ وہ اپنے خاندان کی نمائیدگی کر سکیں۔ اور انہیں افراد نے ہی ادارہ کے ساتھ تعاون کی فضا بھی برقرار رکھی ہے۔

Marfat.com

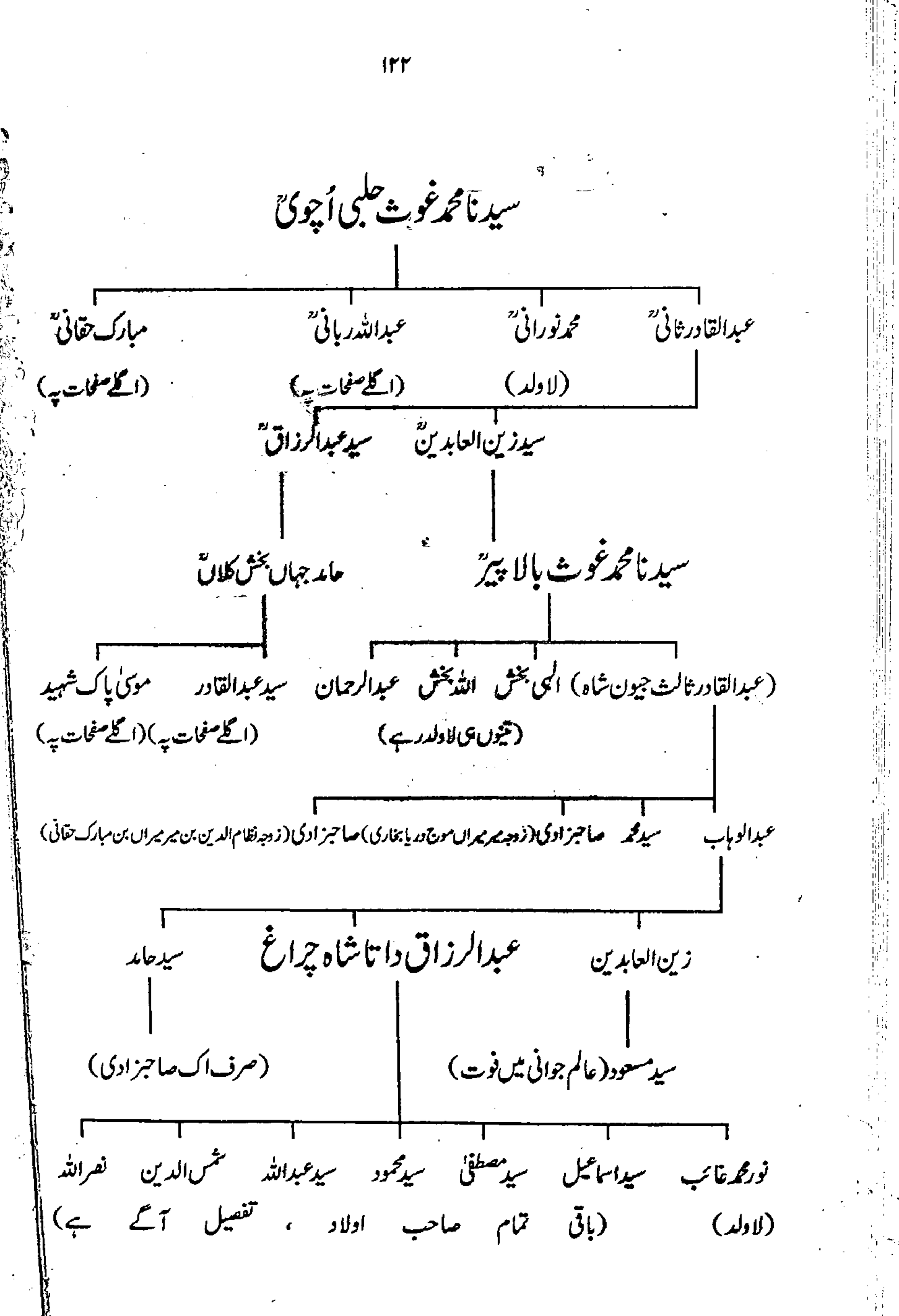
سیدنا محمد غوث حلبی اُچویؒ
عبدالقادر ثانیؒ
محمد نورانیؒ
عبداللہ ربانیؒ
مبارک حقانیؒ
(لاولد)
(اگلے صفحات پہ)
(اگلے صفحات پہ)
سید زین العابدینؒ
سید عبدالرزاقؒ
سیدنا محمد غوث بالا پیرؒ
حامد جہاں بخش کلاںؒ
(عبدالقادر ثالث جیون شاہ)
الٰہی بخش
اللہ بخش
عبدالرحمان
سید عبدالقادر
موسیٰ پاک شہید
(تینوں ہی لاولد رہے)
(اگلے صفحات پہ)
(اگلے صفحات پہ)
عبدالوہاب
سید محمد
صاحبزادی (زوجہ میر میراں موج دریا بخاری)
صاحبزادی (زوجہ نظام الدین بن میر میراں بن مبارک حقانی)
زین العابدین
عبدالرزاق داتا شاہ چراغ
سید حامد
سید مسعود (عالم جوانی میں فوت)
(صرف اک صاحبزادی)
نور محمد غائب
سید اسماعیل
سید مصطفیٰ
سید محمود
سید عبداللہ
شمس الدین
نصر اللہ
(لاولد)
(باقی تمام صاحب اولاد ، تفصیل آگے ہے)

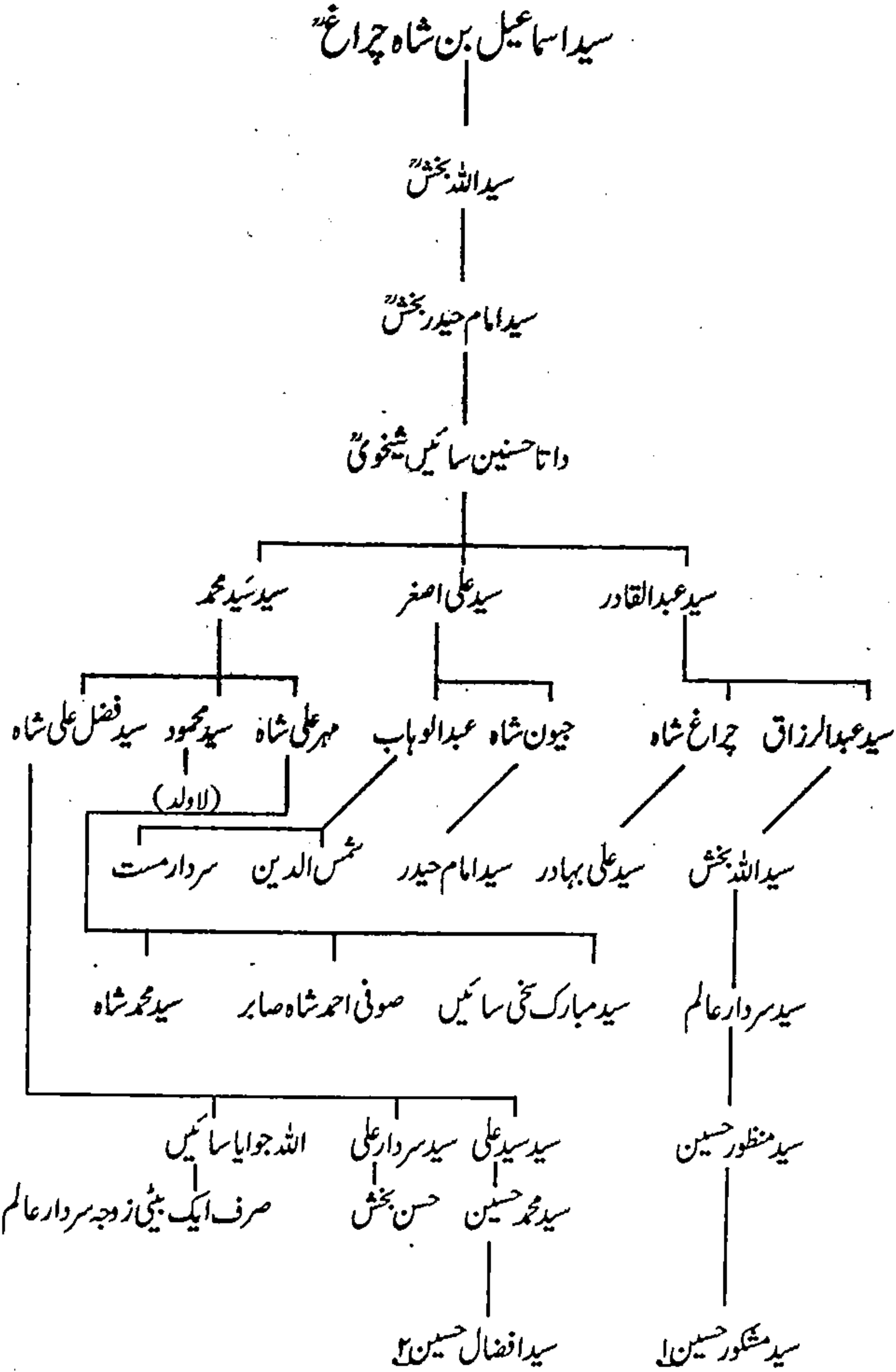

---

۱ موجودہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ شیخو شریف۔ ۲ مولف کتاب (حیات الامیر)

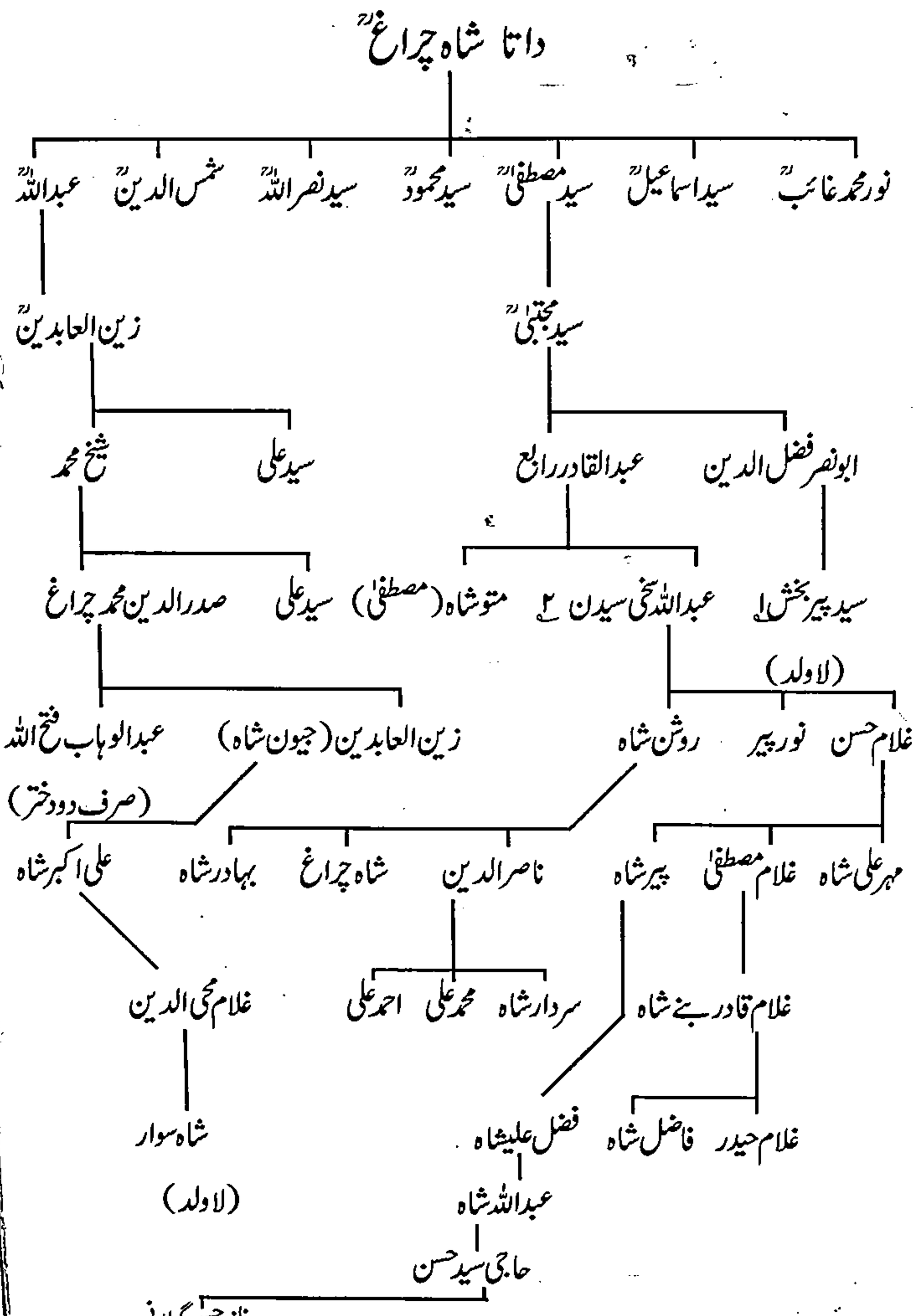

---

۱ آخری متفقہ سجادہ نشین اولاد سیدنا بالا پیر سائیں

۲ خلیفہ سید داتا حسنین سائیں گیلانی

Marfat.com

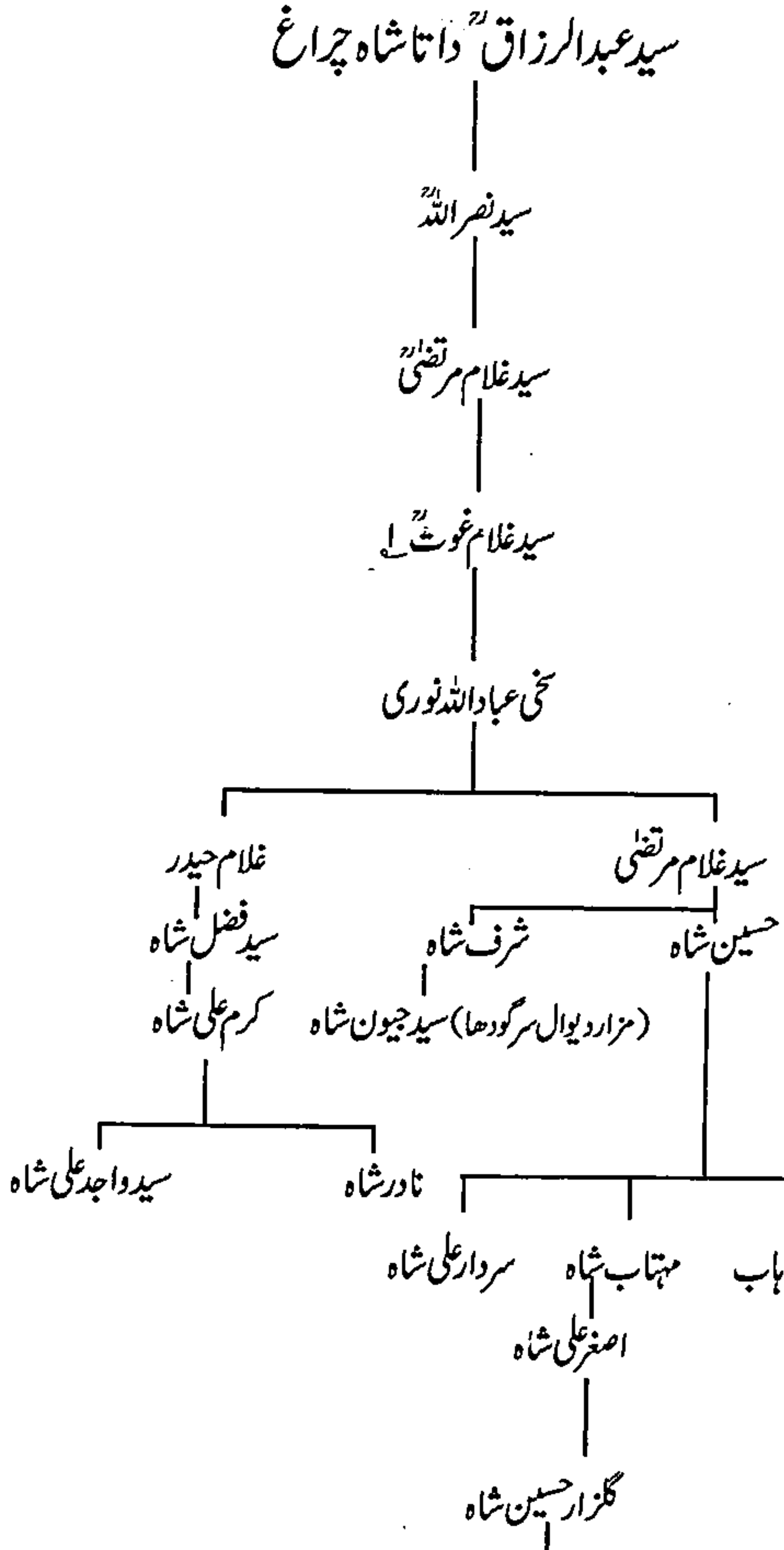

---

[1] خلیفہ سید امام حیدر بخش سائیں

Marfat.com

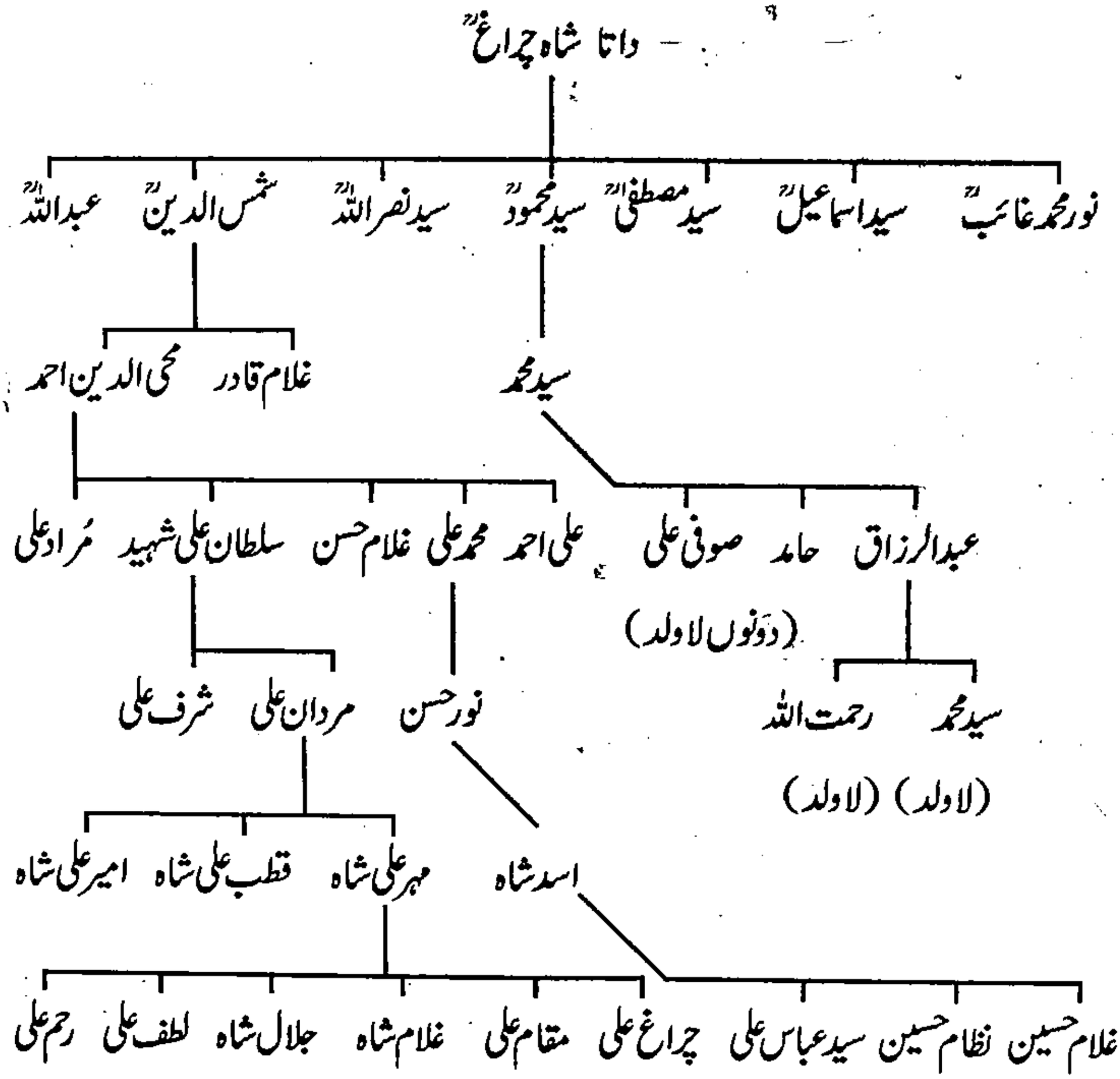

نوٹ: صاحب شجرۃ الانوار نے سید سلطان شہید کا صرف ایک بیٹا سید شرف علی بیان کیا ہے۔ مردان علی بن سلطان شہید سے نیچے کا شجرہ سید ظفر حسن بن حاجی سید حسن دیپالپوری کی بیان کردہ روایت کے مطابق ہے۔

مخدوم سید عبدالرزاق اچویؒ بن سیدنا عبدالقادر ثانی

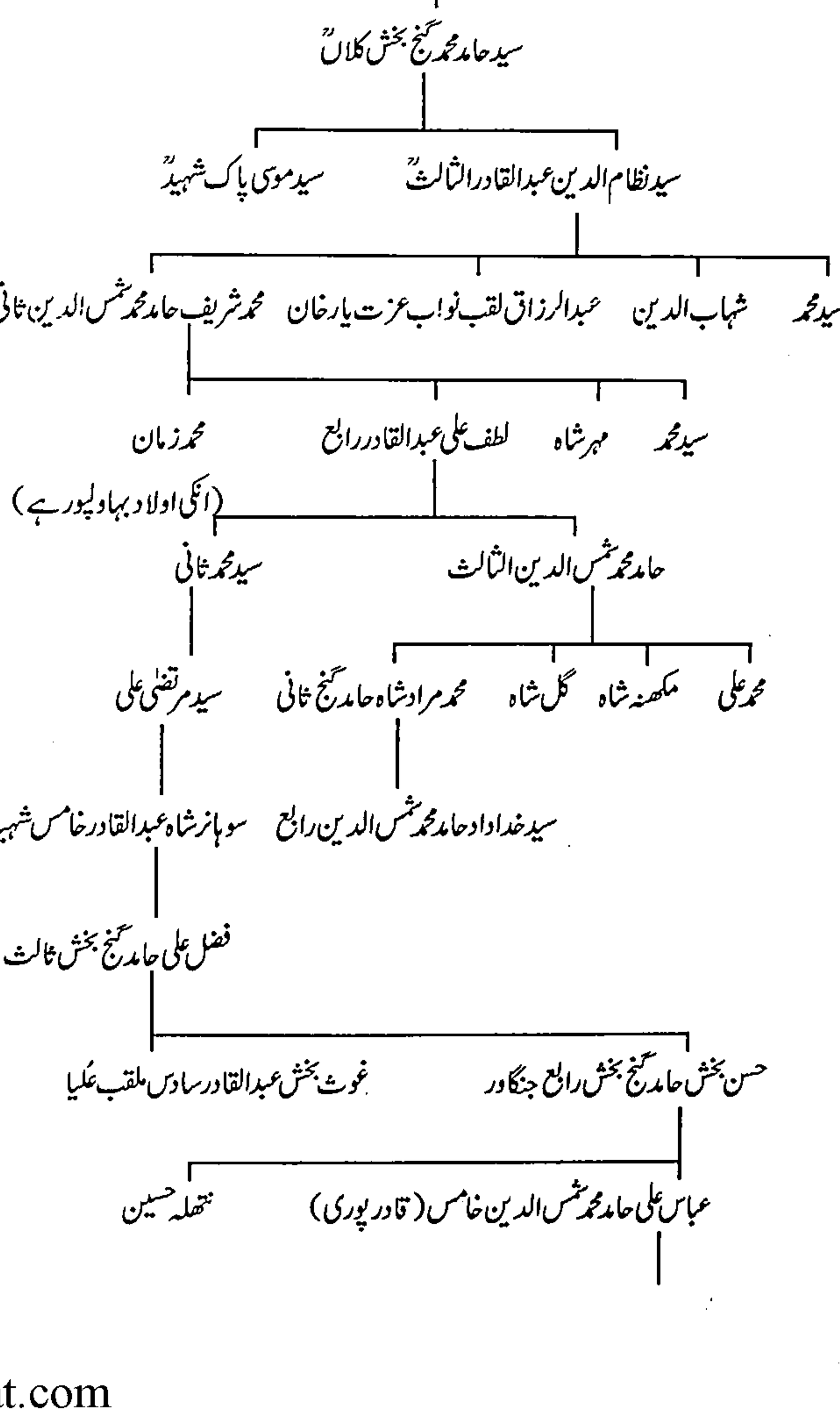

Marfat.com

حسن بخش حامد گنج بخش خامس

محمد شاہ حامد محمد شمس الدین سادس — فیض محمد — بھاون شاہ

(اولادِ محمد شاہ حامد محمد شمس الدین سادس:)

حسن بخش حامد گنج بخش سادس — مراد علی شاہ حامد محمد شمس الدین رابع — ولایت شاہ حامد گنج سابع — جیون شاہ

(اولادِ ولایت شاہ حامد گنج سابع:)

خیرات حسین حامد محمد شمس الدین ثامن

(اولادِ خیرات حسین حامد محمد شمس الدین ثامن:)

مختار الحسن — ظفر الحسن — محبوب الحسن — افتخار الحسن (موجودہ سجادہ نشین)

Marfat.com

شجرہ۔ مخدوم سید عبدالرزاقؒ بن سید عبدالقادر ثانیؒ

مخدوم حامد جہاں بخشؒ

سید نظام الدین عبدالقادرؒ

جمال الدین سید محمد موسیٰ پاک شہیدؒ

سید یحییٰ — سید عیسےٰ — سید جان محمد — سید حامد گنج بخش

مخدوم سید فتح علی المعروف نواب موسیٰ پاک دین

سید عبدالقادر ثالث — سید حامد — سید حسین

سید اسماعیل

سید محمد غوث — سید غلام نبی شاہ

سید فتح محمد شاہ — سید دین محمد شاہ (حامد گنج بخش ثالث) — سید گل محمد شاہ

سید کمال الدین — سید جمال الدین (عبدالقادر چہارم)

سید صدرالدین (محمد غوث چہارم) — سید محمد شاہ — سید احمد شاہ

سید نور شاہ (حامد گنج بخش چہارم) — سید غوث بخش — سید محسن شاہ

ولایت شاہ (عبدالقادر خامس) — سید شادی شاہ — سید پیر شاہ

الحاج صدرالدین (حسنی الحسینی) — سید راجن شاہ — سید شیر شاہ

الحاج غلام یٰسین شاہ — سید غلام مصطفےٰ شاہ — سید مختار حسین شاہ — سید محمد رضا شاہ

سید محمد ولایت شاہ — سید شوکت حسین شاہ — سید علمدار حسین شاہ — سید رحمت حسین شاہ — سید فیض مصطفےٰ شاہ

سید وجاہت حسین شاہ (سجادہ نشین حاضرہ)

سید علمدار حسین شاہ — سید حامد رضا شاہ

سید یوسف رضا (وزیر اعظم)

Marfat.com

---

[1] :صاحب شجرۃ الانوار

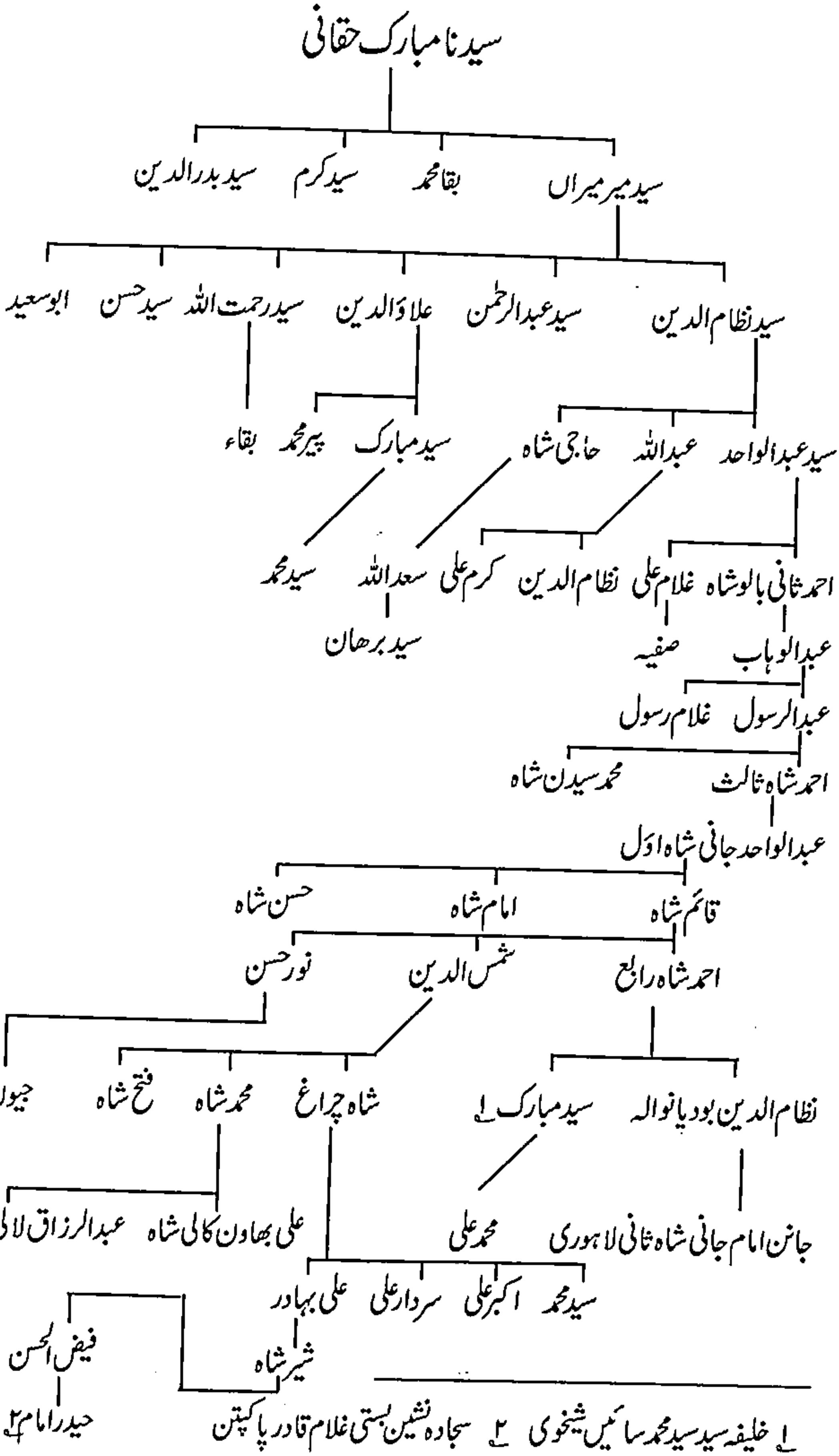

[1] خلیفہ سید سید محمد سائیں شیخوی [2] سجادہ نشین بستی غلام قادر پاکپتن

Marfat.com

کتابیات

قرآن مقدس، صحیح بخاری و مسلم، جامع ترمذی، مسند امام احمدؒ بن حنبل،

اخبارالاخیار از حضرت شیخ عبدالحق محدثؒ دہلوی

سفینۃ الاولیاء از شہزادہ داراشکوہؒ

خزینۃ الاصفیاء از مفتی غلام سرور لاہوریؒ

شجرۃ الانوار از سید اصغر علی گیلانی لاہوریؒ

تاریخ فرشتہ از محمد قاسم فرشتہؒ

تاریخ ملتان از مولانا نور احمد فریدیؒ

صوفیائے پنجاب از اعجاز الحق قدوسی

اولیائے لاہور از محمد لطیف ملک ایم۔اے

مشائخ قادریہ از محمد دین کلیمؒ

رودِ کوثر از مولانا محمد اکرمؒ

شریف التواریخ از شریف احمد شرافت نوشاہی

دربار اکبری از شمس العلماء محمد حسینؒ

تزک جہانگیری از شہنشاہ جہانگیر

بزرگان لاہور از پیر غلام دستگیر نامیؒ

تحقیقات چشتی از مولانا نور احمد چشتیؒ

تاریخ لاہور از سید محمد لطیف جج صاحب

نوٹ : براہ کرم ''حیات الامیر'' جلد اوّل کا مطالعہ ضرور فرمائیں تاکہ حوالہ جات اور مدعا سمجھنے میں آسانی رہے۔

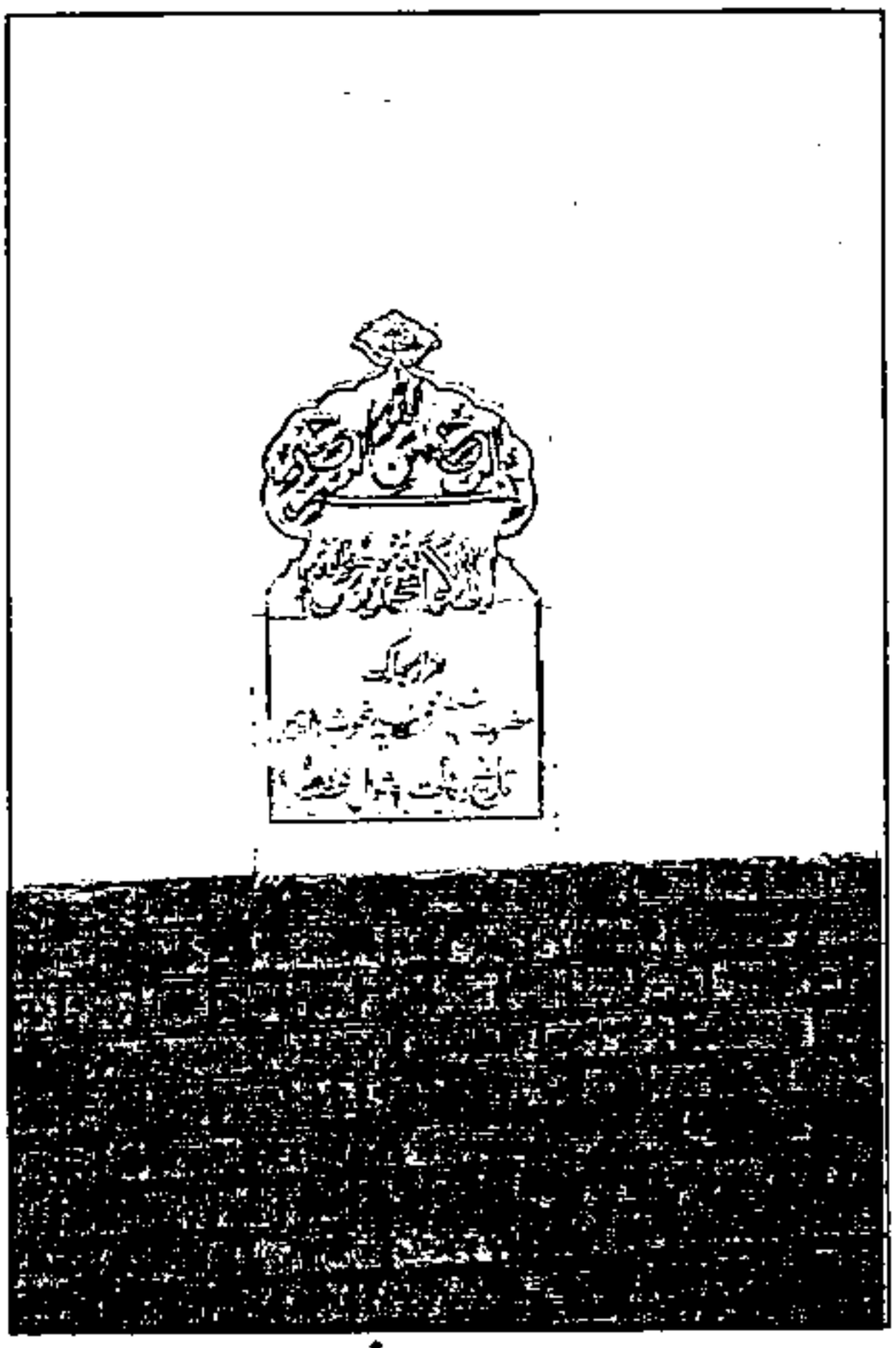

مزار پرلوح تاریخ وفات

جوشجرۃ الانوار سے متفق نہیں

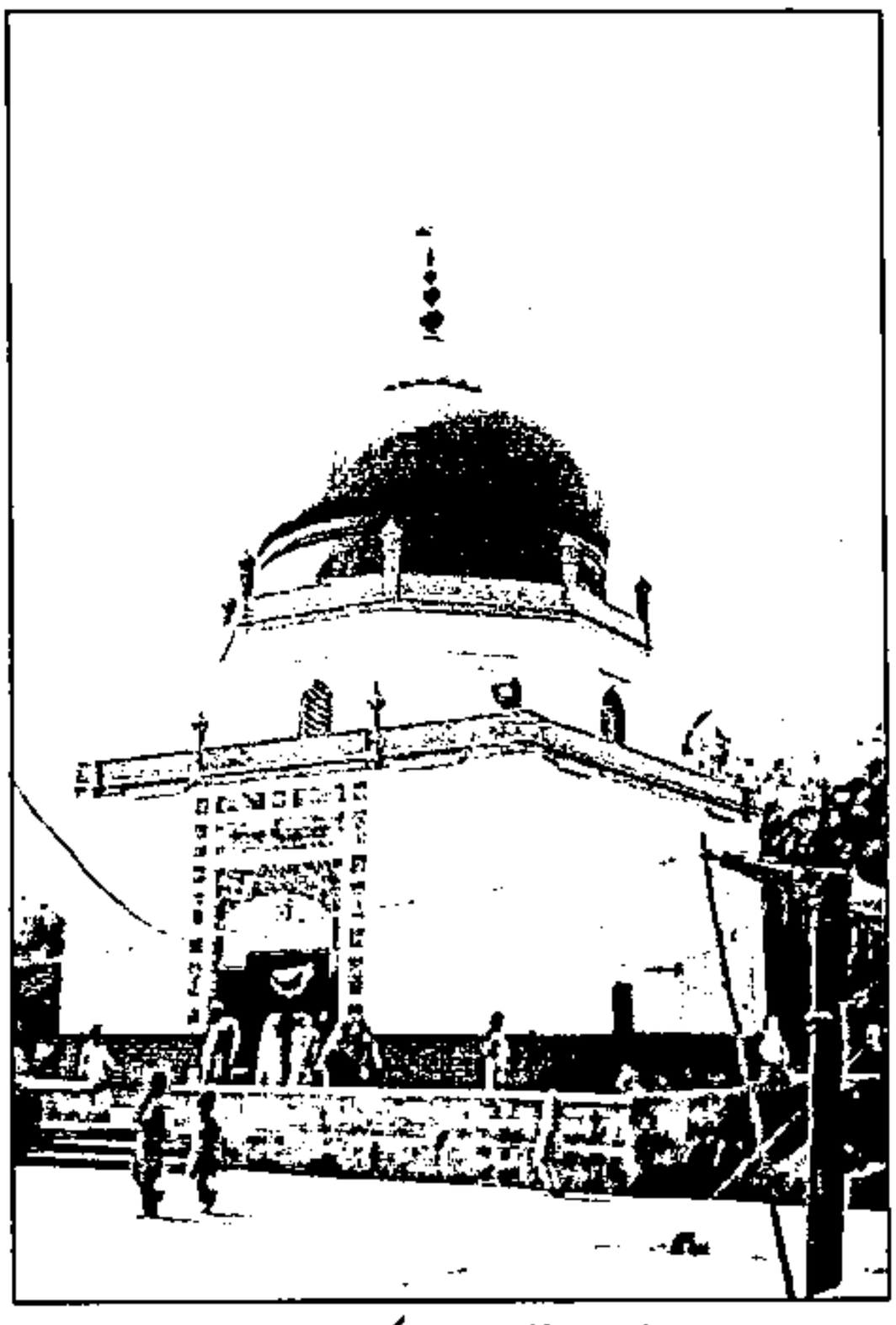

درگاہ اقدس کا اک اور منظر

درگاہ عالیہ کی مسجد

Marfat.com

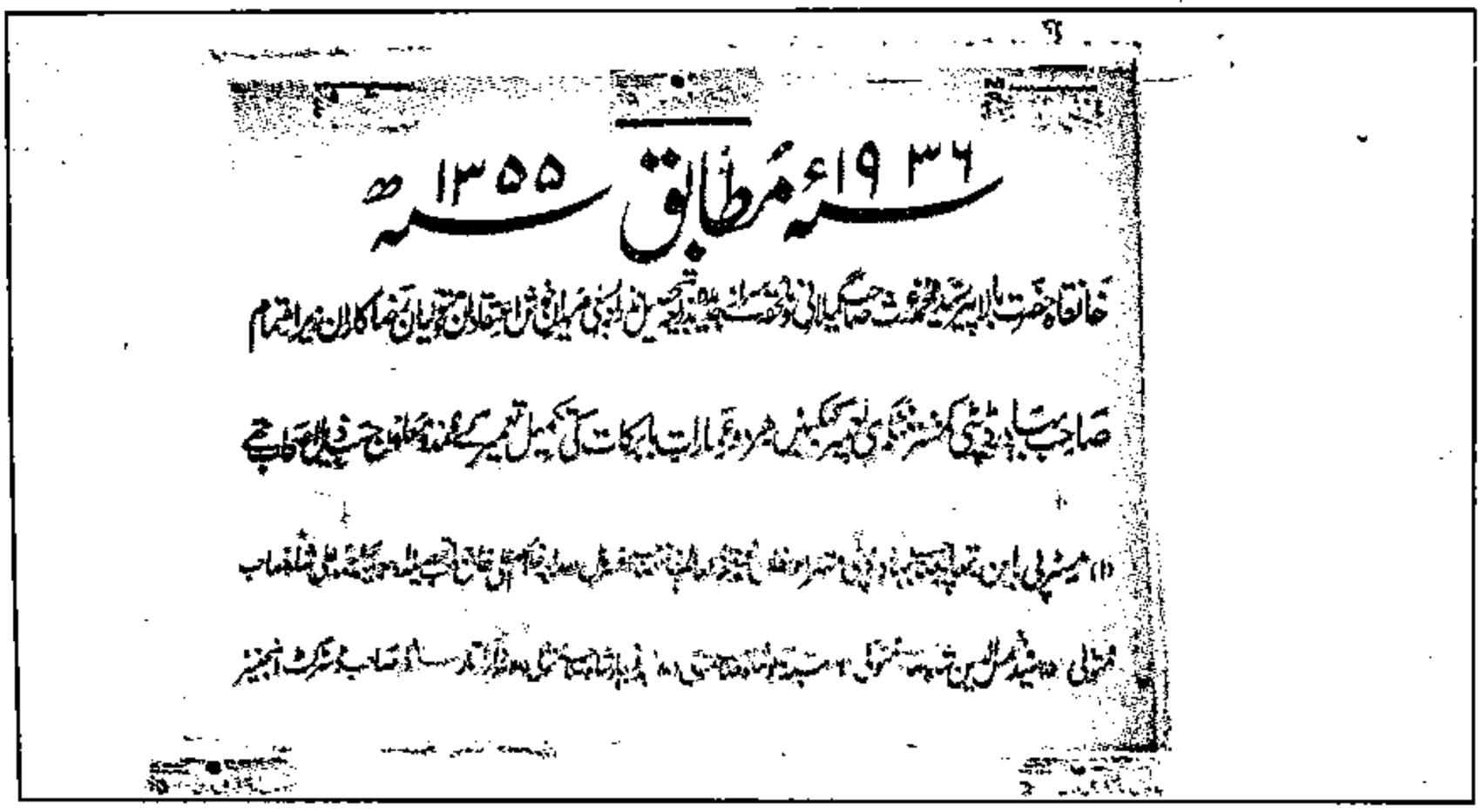

سنہ ۱۳۵۵ھ مطابق سنہ ۱۹۳۶ء

لوح تاریخ تعمیر روضہ عالیہ

قدیم سنگھرہ کا تیرتھ استھان جہاں پورے ہند سے ہندو یاترہ کیلئے آیا کرتے تھے۔

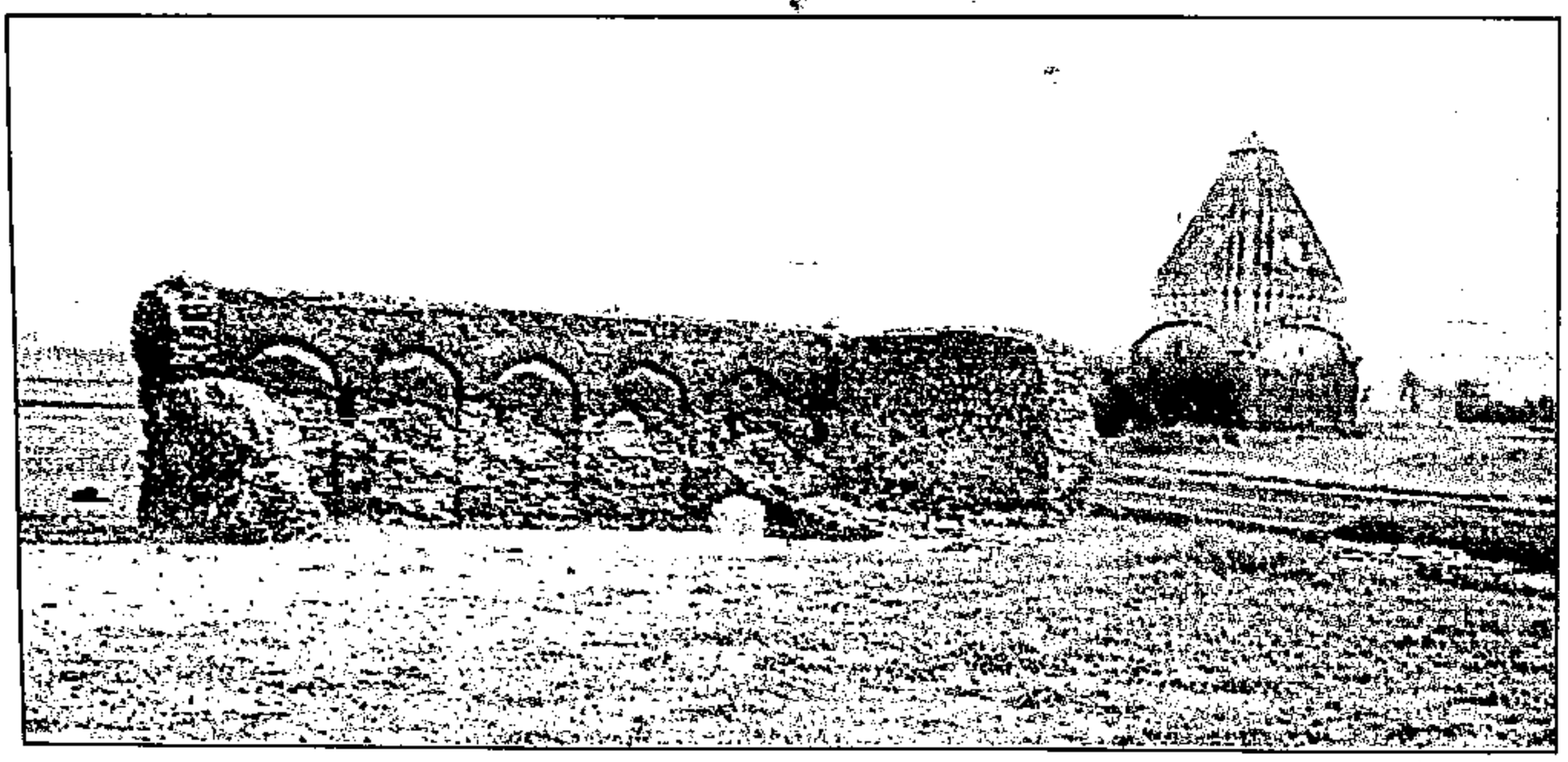

رنجیت سنگھ کے دور کا، اینٹوں والا بھٹھہ اسی سے نیا قلعہ تعمیر کیا گیا۔

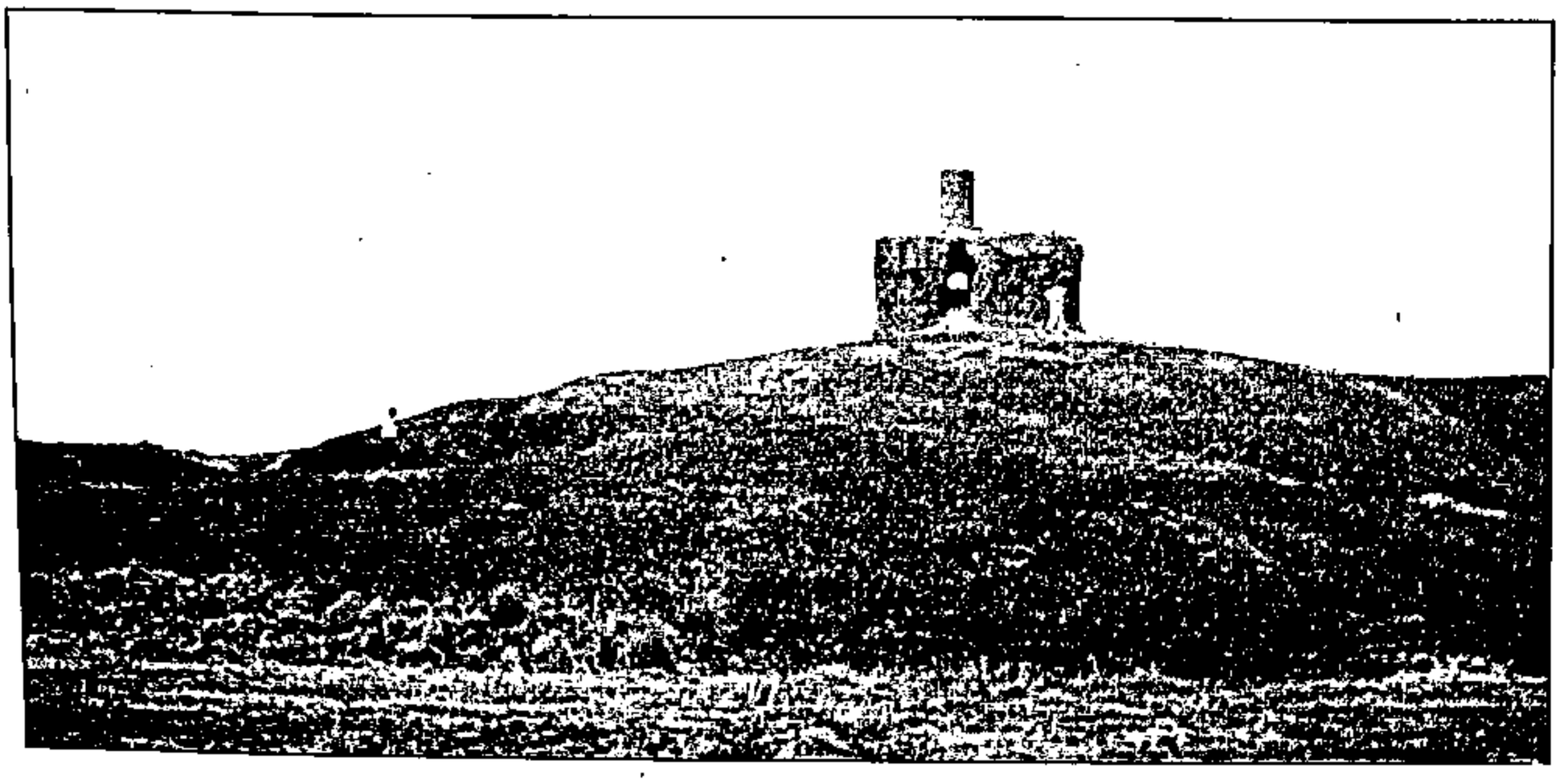

Marfat.com

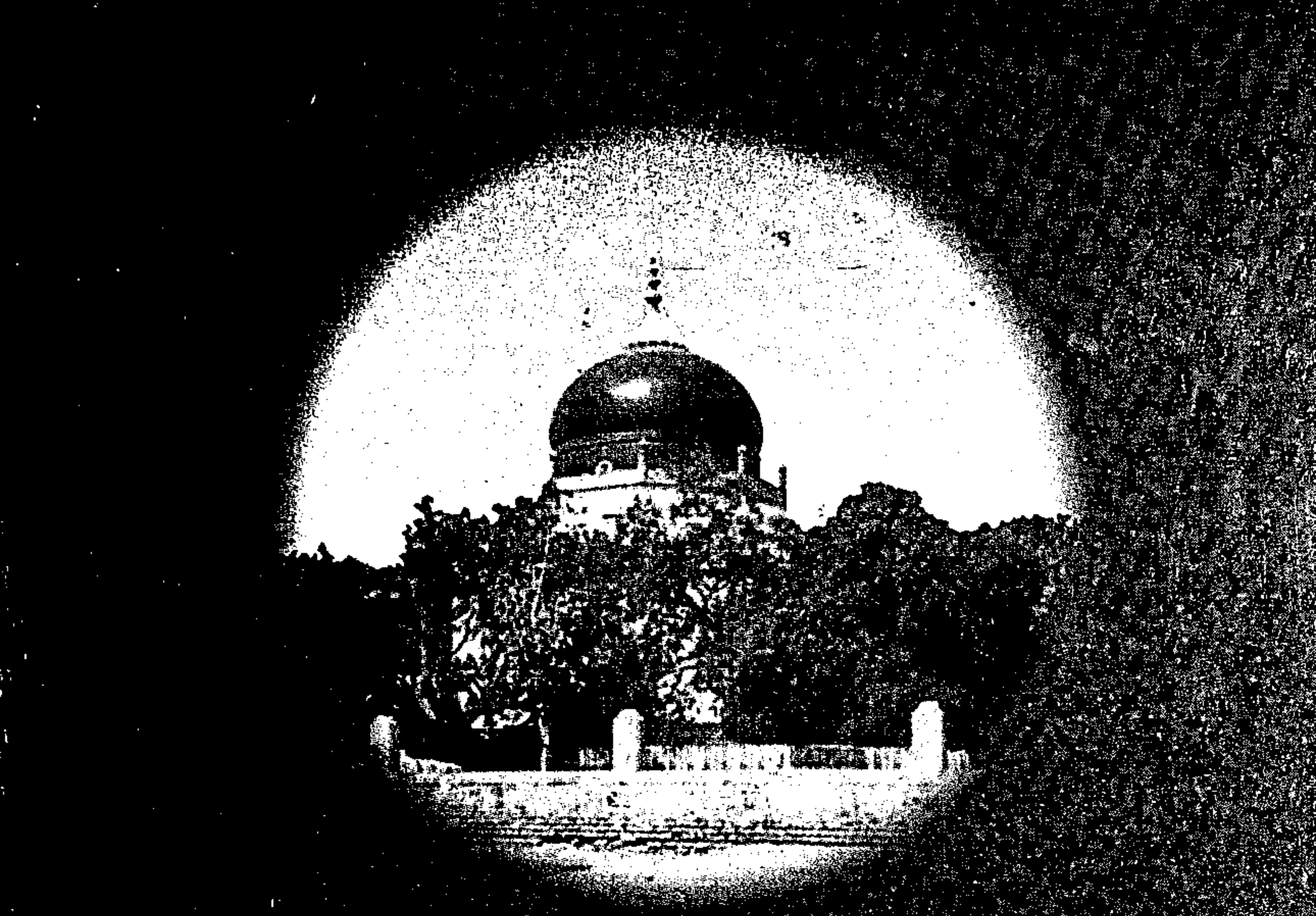

حیات الامیر

المعروف محمد غوث بالا پیر گیلانی قدس اللہ سرہٗ

(جلد دوم)

مع

تذکرۃ الابرار

تالیف: سید افضال حسین گیلانی